348 | جون ۲۰۱۱ء

مدیر اعلیٰ
حافظ عبدالرحمن مدنی

مدیر
ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

مُحدّث

۲۴ ملت اسلامیہ: امریکی استعمار کے نرغے میں
۴۰ مجبوری کی طلاق کا شرعی حکم
۵۱ جنگی اخلاقیات: احادیث نبویہ کے آئینے میں

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

مجلس التحقیق الاسلامی

ملتِ اسلامیہ کا علمی و اصلاحی مجلہ

مدیرِ اعلیٰ
حافظ عبد الرحمن مدنی

مدیر
ڈاکٹر حافظ حسن مدنی
only for SMS
0333-4213525

ماہنامہ مُحدّث
لاہور پاکستان

جلد ۴۳ ر شمارہ ۶ — رجب المرجب ۱۴۳۲ھ — جون ۲۰۱۱ء

فکر و نظر

حقوقِ نسواں بل؛ شرعی عدالت کا فیصلہ	ڈاکٹر حافظ حسن مدنی	۲

حدیث و سنت

ملتِ اسلامیہ میں شرکِ اکبر کا وجود	ابو عبد اللہ طارق	۱۳

احکام و شرائع

نمازوں میں فرض و نفل رکعات کی تعداد	کامران طاہر	۲۹

فقہ و اجتہاد

مجبوری کی طلاق کا شرعی حکم	مترجم: عمران اسلم	۴۰

جہادِ اسلامی

جنگی اخلاقیات؛ احادیثِ نبویہ کے آئینے میں	مولانا عبد المالک	۵۱

ملتِ اسلامیہ

ملتِ اسلامیہ؛ امریکی استعمار کے نرغے میں	عبد اللہ حسن	۶۴

مدیر معاون
کامران طاہر
0302 4424736

زرِ سالانہ =/۲۰۰ روپے
فی شمارہ =/۲۰ روپے

بیرونِ ملک
زرِ سالانہ =/۲۰ ڈالر
فی شمارہ =/۲ ڈالر

Monthly Muhaddis
A/c No:984-8
UBL-Model Town
Bank Squre Market, Lahore.

دفتر کا پتہ
۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن
لاہور 54700
042-35866476
35866396
35839404
Email:
mkamrantahir@gmail.com
Publisher:
Hafiz Abdur Rahman Madni
Printer:
Shirkat Printing Press, Lahore
Designing (Abdul Wasea)
Crystal Art Lahore 0323-7471862-1

Islamic Research Council

محدث کتاب و سنت کی روشنی میں آزادانہ بحث و تحقیق کا حامی ہے، ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کُلی اتفاق ضروری نہیں!

ماہنامہ محدث لاہور

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارُف

مُدیر اعلیٰ: حافظ عبدالرحمٰن مدنی   مُدیر: ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام محدث تھا- کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیمِ ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین ودانشور حافظ عبدالرحمٰن مدنی حَفِظَہُ اللہ نے اس کا اِجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی وکامرانی سے شائع ہو رہا ہے، وللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحبِ علم وفضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور ملحدانہ افکار کیلئے شمشیرِ بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: ۲۰روپے   زرِ سالانہ: ۲۰۰روپے بیرون ملک: ۲۰ڈالر

بذریعہ منی آرڈر/ بینک ڈرافٹ ۲۰۰ روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی وتحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔   ایڈریس: ماہنامہ محدث، ۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

فون نمبر: 042 - 3586639 / 35866476   موبائل: 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.kitabosunnat.com __   www.mohaddis.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے مُحدث کے مقاصد

☜ عناد اور تعصّب قوم کیلئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!
لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

☜ علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!
لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

☜ غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے!
لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

☜ تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے!
لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

☜ آئین وسیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!
لیکن جدا ہو دین سیاست سے تورہ جاتی ہے چنگیزی۔

☜ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے!
لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمایئے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

'تحفظِ حقوقِ نسواں ایکٹ ۲۰۰۶ء' کے خلاف وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ اور نوٹس

اسلام کے نام سے دنیا کے نقشے پر اُبھرنے والا ملک 'پاکستان' ان دنوں امریکہ کی سنگین مداخلت اور عالمی دہشت گردی کے خلاف نبرد آزما ہے۔ پاکستان کو اس مقام تک پہنچانے میں جہاں ہماری حالیہ کوتاہیوں کا عمل دخل ہے، وہاں ماضی میں بھی اسلام سے ہونے والی زیادتیوں اور اللہ سے عہد شکنی نے آج ہمیں اس مقامِ عبرت تک پہنچایا ہے۔

ماضی قریب میں اس ملک میں مرد و زن کے آزادانہ اختلاط اور بے حیائی و فحاشی کو راہ دینے کے لئے کئی خلافِ اسلام قانون سازیاں ہوتی رہی ہیں، بالخصوص ۲۰۰۶ء کا سال اس لحاظ سے بدترین رہا کہ اس سال نومبر کے مہینے میں پاکستانی پارلیمنٹ نے قرآن وسنت سے صریح متصادم 'ویمن پروٹیکشن بل' کو منظور کرکے ملک بھر میں نافذ کردیا جس کے خلافِ اسلام ہونے پر پاکستان بھر کے تمام دینی حلقے یک آواز تھے۔ یہ ظالمانہ قانون اس اسمبلی سے پاس ہوا جس کی عمارت پر نمایاں الفاظ میں کلمہ طیبہ درج ہے، اس کے اراکین اور جملہ عہدیداران اسلام کے تحفظ کا حلف بھی اُٹھاتے ہیں بلکہ اس کے آئین میں خلافِ اسلام قانون سازی کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ اس ایکٹ کی منظوری سے قبل میڈیا پر اس معاملے کی اس طرح پرزور تشہیر کی گئی اور گلی کوچوں میں اس کو یوں زیر بحث لایا گیا جیسے یہ پاکستان کا اہم ترین مسئلہ ہو۔

خواتین کے تحفظ کے نام پر بنائے گئے اس ایکٹ میں سب سے پہلے جرم کا اندراج کرانے والے شخص کو عدالتی کاروائی کا سامنا کرتے ہوئے اپنے دعویٰ کو ثابت کرنا پڑتا ہے۔

اس ایکٹ میں حیلہ بازی کرتے ہوئے سنگین جرائم کو پولیس کی دسترس سے نکال کر عوام کے جذبۂ خیر وصلاح کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ صنفی امتیاز کے خاتمے کے دعویٰ سے لایا جانے والا یہ قانون وطنِ عزیز میں صنفی امتیاز کی بہت بڑی بنیاد ثابت ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس ظالمانہ ایکٹ کی منظوری کے دنوں میں لاکھوں پاکستانیوں نے اس کے خلاف رائے شماری میں حصہ لے کر اس قانون سے اظہارِ برات بھی کیا تھا، دکانوں اور عام چوراہوں پر اس قانون کی تردید پر مبنی پوسٹرز اور ہینگرز عام نظر آتے رہے۔ اس قانون کو غلط قرار دینے والوں میں خواتین کی اکثریت کے علاوہ اہم عہدوں پر فائز شخصیات بھی شامل رہیں حتیٰ کہ اس ایکٹ کے خلاف دستخط کرنے والوں کی تعداد ایک کروڑ سے بھی تجاوز کر گئی جن میں غیر مسلم بھی شامل تھے۔ یہ ملکی تاریخ کا سب سے بڑا عوامی احتجاج تھا جس کا سامنا اس غیر اسلامی قانون کو کرنا پڑا۔

قانون کی منظوری اور بحث مباحثہ کے دنوں میں ہی ملک کی نمائندہ علمی شخصیات نے حکومت کو اپنے تحفظات سے آگاہ کر دیا تھا۔ ہر مکتبِ فکر سے وابستہ علمائے کرام نے بعض سینئر سیاستدانوں اور حکومتی ذمہ داروں سے ملاقاتوں میں کہا تھا کہ اگر حکومت اکرامِ خواتین کے سلسلے میں اقدامات کرنے میں سنجیدہ ہے تو اختلاطِ مرد وزَن کے بے باکانہ رویوں کو کنٹرول کرے، کیونکہ منظور شدہ ایکٹ میں تو صرف 'زناکاروں کے حقوق' کا تحفظ کیا گیا ہے جب کہ پاکستانی خواتین کے لئے اس میں کوئی ریلیف نہیں ہے۔ پاکستانی خواتین جن سنگین معاشرتی مسائل کا شکار ہیں، ان کے لئے بہت سے دیگر قانونی اقدامات کئے جاسکتے ہیں جن سے اُن کے مسائل کے خاتمے میں حقیقی مدد مل سکتی ہے، لیکن ایسی تمام آوازوں کو اَن سنی کر کے حقیقی مسائل سے صرفِ نظر کیا جاتا رہا۔

یہاں یہ واضح رہنا چاہئے کہ حدود آرڈیننس بھی کوئی بڑا معیاری قانون نہیں تھا جو کتاب وسنت کے عین مطابق ہو، تاہم شرعی ماحول پیدا ہونے کی بنا پر اس کی تائید کی جاتی رہی۔ ہمارا زیر نظر تبصرہ بھی اسی نقطہ نظر سے پیش خدمت ہے:

ویمن پروٹیکشن ایکٹ کی خلافِ اسلام دفعات؛ شرعی عدالت میں

جیسا کہ سطورِ بالا میں ہم نے عرض کیا ہے کہ ویمن پروٹیکشن ایکٹ[1] کا اصل مقصد تو اسلامی معاشرہ میں امن وامان اور عفت وعصمت کے کسی حد تک ضامن حدود قوانین کو مزید غیر مؤثر کرنا اور پاکستانی معاشرے میں بے راہ روی کی راہ میں حائل قانونی رکاوٹیں ختم کرنا تھا، کیونکہ ایک مسلم معاشرہ مادر پدر آزاد مغربی تہذیب کے لئے کسی طرح بھی موزوں نہیں تھا جس کے لئے نام نہاد 'ویمن پروٹیکشن ایکٹ' کے ذریعے یہاں حکومتی سرپرستی میں فضا سازگار کی جاتی رہی۔ آج ملک بھر میں ٹی وی چینلوں، ویب سائٹس اور موبائل فونوں کے ذریعے فحاشی وعریانی کا جو سیلاب آیا ہوا ہے، اور نوجوان لڑکے لڑکیاں بے راہ روی کا کھلا مظاہرہ کر رہے ہیں، اس پر کئی حساس اہل قلم بڑے دردِ دل کے ساتھ لکھ رہے ہیں اور وہ ماں باپ تو آئے روز بے حیائی کے اس ناسور سے زندہ درگور ہو رہے ہیں جن کے بچے بچیاں کھلنڈرے پن اور جوانی کے نشے میں مدہوش ہیں۔

① 'ویمن پروٹیکشن ایکٹ' کے ذریعے اسلامی حدود قوانین کے برعکس مبادیاتِ زنا مثلاً بوس وکنار اور مرد وزن کے آزادانہ اختلاط کو ناقابل سزا قرار دیا گیا تھا۔

② مزید برآں ۱۶ سال سے کم عمر لڑکی کی ہر طرح کی بے راہ روی کو (از خود یہ تصور کرتے ہوئے کہ وہ لازماً جبری زنا کا ہی شکار ہوئی ہے) اُسے ہر قسم کی سزا سے مستثنیٰ کر دیا گیا تھا۔

③ اور شوہر کیلئے یہ قانون سازی کی گئی تھی کہ اگر وہ بیوی کی رضامندی کے بغیر اس سے جماع کرتا ہے تو اسے زنا بالجبر سمجھا جائے گا جس کی سزا ۲۵ سال قید یا سزائے موت ہو گی۔

④ اس ایکٹ کے ذریعے حدود قوانین کے نام سے شرعی قوانین مثلاً زنا، قذف اور لعان وغیرہ کی سزاؤں کی دیگر انگریزی قوانین پر برتری کو بھی ختم کیا گیا تھا۔

⑤ نیز اس ایکٹ کے ذریعے صوبائی حکومت اور صدرِ مملکت کو بلا قید تمام سزاؤں کو معاف کرنے کا بھی اختیار عطا کیا گیا تھا۔

---

[1] اس ایکٹ کا اصل نام تو 'کریمنل لاء امینڈمنٹ ۲۰۰۶ء' یعنی فوجداری ترمیمی بل ۲۰۰۶ء تھا، جسے طبقہ خواتین کی بے جا حمایت حاصل کرنے کے لئے مذکورہ مغالطہ آمیز نام دیا گیا۔

⑥ ویمن ایکٹ کی رو سے زنا اور قذف کی معروف شرعی سزا کے بجائے ۵ سال قید اور زیادہ سے زیادہ ۱۰ ہزار روپے جرمانہ کی سزائیں متعارف کرائی گئیں، حالانکہ شرعی حدود میں تبدیلی یا کمی بیشی کا اختیار کسی حاکم وقت یا مجتہد العصر تو کجا، سید المرسلین ﷺ کو بھی نہیں۔

⑦ ان تمام تبدیلیوں پر مزید اضافہ یہ کہ فحاشی و بے راہ روی کے حوالے سے ان سزاؤں کے طریقۂ اجرا میں ایسی مضحکہ خیز تبدیلیاں کی گئیں کہ ان جرائم کی سزا کسی پر لاگو ہونا ہی ممکن نہ رہا۔ راقم اس ایکٹ کی یہ خرابیاں قبل ازیں اپنے مختلف مضامین[1] میں بیان کر چکا ہے، جنہیں مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

ویمن پروٹیکشن ایکٹ کے خلاف وفاقی شرعی عدالت میں اپیل

ویمن پروٹیکشن ایکٹ کے نفاذ کے بعد سے ہی اس بارے میں محبِ اسلام حلقوں میں شدید بے چینی اور اضطراب پیدا ہو گیا اور ۲۰۰۷ء میں ہی اس ایکٹ کے خلافِ اسلام ہونے کے بارے میں دو درخواستیں [نمبری ۱، ۳۔ آئی ۲۰۰۷] وفاقی شرعی عدالت میں دائر کر دی گئیں۔ پھر ۲۰۱۰ء میں درخواست [نمبری ۱۔ آئی ۲۰۱۰] بھی دائر کی گئی جس میں وفاقی شرعی عدالت سے استدعا کی گئی کہ اس ایکٹ کی خلافِ اسلام دفعات کا خاتمہ کیا جائے۔

① یاد رہے کہ پاکستان کا آئین وفاقی شرعی عدالت کو یہ اختیار دیتا ہے کہ

> ”دفعہ نمبر ۲۰۳ ڈی: عدالت اپنی تحریک یا پاکستان کے کسی شہری یا وفاقی حکومت یا کسی صوبائی حکومت کی درخواست پر اس سوال کا جائزہ لے سکے گی اور فیصلہ کر سکے گی کہ آیا کوئی قانون یا قانون کا کوئی حکم ان اسلامی احکام (جس طرح کہ قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کی سنت میں ان کا تعین کیا گیا ہے) کے خلاف ہے یا نہیں؟ جن کا حوالہ اس کے بعد اسلامی احکام کے طور پر دیا گیا ہے۔“

دفعہ ۲۰۳ ڈی کی شق نمبر ۱ کا تقاضا یہ ہے کہ عدالتِ مذکورہ حکومت کو اپنا نقطہ نظر پیش کرنے کے لئے مناسب موقع دے گی۔ شق ۲ کے تحت عدالت متعلقہ قانون کے خلافِ

---

[1] 'ویمن پروٹیکشن ایکٹ کے اسلام سے متصادم پہلو' اور 'زنا بالجبر اور نام نہاد تحفظِ حقوقِ نسواں بل' شائع شدہ ماہنامہ محدث، دسمبر ۲۰۰۶ء جلد ۳۸، عدد ۱۲/ ص ۲ تا ۲۳ اور ۲۶ تا ۷۰

اسلام ہونے کی وجوہ اور اس کی مخالفت کی حد کا تعین بھی کرے گی۔ شق ۳ کے تحت اگر کوئی قانون خلافِ اسلام قرار پاتا ہے تو گورنر اس قانون میں ترمیم کرنے کے اقدامات کرے گا، بصورتِ دیگر عدالت کی متعین کردہ تاریخ سے وہ قانون کالعدم قرار پائے گا۔

② واضح رہے کہ ماضی میں قانونِ امتناع توہین رسالت (دفعہ ۲۹۵سی) میں بھی وفاقی شرعی عدالت نے اسی اختیار کو استعمال کرتے ہوئے اسمبلی کے منظور شدہ قانون مجریہ ۱۹۸۶ء میں مذکور 'عمر قید کی سزا کے خلافِ اسلام' ہونے کا فیصلہ کیا تھا اور حکومت کو ۳۰/اپریل ۱۹۹۱ء تک کا وقت دیا تھا کہ اس دوران وہ مناسب قانون سازی کرلے، بصورتِ دیگر شرعی عدالت کا فیصلہ ازخود نافذ ہوکر توہین رسالت کی سزا میں شامل سزائے عمر قید حذف ہوجائے گی۔

اسی طرح ماضی میں قصاص ودیت کیس میں بھی وفاقی شرعی عدالت نے چیف جسٹس محمد افضل ظُلّہ کی سربراہی میں یہ فیصلہ دیا تھا کہ سزائے قتل کے مروّجہ ۵۶ قوانین خلافِ اسلام ہیں اور حکومت کو چاہئے کہ اگست ۱۹۹۰ء سے پہلے پہلے متبادل قانون سازی کرے، بصورتِ دیگر قصاص ودیت کے شرعی قوانین براہِ راست نافذ ہوجائیں گے۔ اسی نوعیت کا ایک فیصلہ قانونِ شفعہ کے بارے میں بھی دیا گیا تھا۔

وفاقی شرعی عدالت کے ان فیصلوں کے بعد متعینہ تواریخ تک حکومت نے کوئی قانون سازی نہ کی، جس کے نتیجے میں پاکستان میں امتناعِ توہین رسالت کا قانون، وفاقی شرعی عدالت کی ترمیم (عمر قید کے حذف) کے بعد اور قصاص ودیت کے قوانین براہِ راست اسلامی شریعت سے ہی پاکستان میں نافذ العمل ہوگئے۔

③ آئین پاکستان کی دفعات اور ماضی کے بعض مذکورہ بالا قانونی اقدامات کی لاہور ہائیکورٹ کے متعدد فیصلوں سے بھی تصدیق ہوتی ہے کہ حدود کے ذیل میں آنے والے جرائم کے متعلق ذیلی عدالتوں کے فیصلوں کی نگرانی/اپیل کا اختیار آئین کی شق ۲۰۳

ڈی ڈی کی رو سے صرف وفاقی شرعی عدالت کو ہی حاصل [1] ہے۔ تاہم وفاقی شرعی عدالت کے فیصلہ کو چیلنج / نظر ثانی کیلئے آئین پاکستان ہی کی دفعہ ۲۰۳ ایف کے تحت کسی بھی فریق کو ۶۰ یوم اور صوبائی ووفاقی حکومتوں کو ۶ ماہ کا وقت حاصل ہے، اس مدت کے دوران نظر ثانی کی درخواست سپریم کورٹ (شریعت اپلیٹ بنچ) میں دی جاسکتی ہے۔

وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ

اسی طریق کار کو اختیار کرتے ہوئے ویمن پروٹیکشن ایکٹ کو بھی وفاقی شرعی عدالت میں گذشتہ سال زیر بحث لایا گیا، عدالت میں اس پر بحث مباحثہ بھی ہوا اور مؤرخہ ۲۲ دسمبر ۲۰۱۰ء کو اس حوالے سے وفاقی شرعی عدالت کا ایک اہم فیصلہ سامنے آیا۔ وفاقی شرعی عدالت کے چیف جسٹس آغا رفیق احمد خاں کی سربراہی میں جسٹس شہزاد شیخ اور جسٹس سید افضل حیدر نے یہ فیصلہ تحریر کیا ہے جسے نکتہ نمبر ۱۱۷ کے تحت رپورٹ کیا گیا ہے۔

وفاقی شرعی عدالت اپنے حالیہ فیصلہ میں ویمن پروٹیکشن ایکٹ ۲۰۰۶ء کے ساتھ ساتھ، امتناعِ دہشت گردی ایکٹ ۱۹۹۷ء اور امتناعِ منشیات ایکٹ ۱۹۹۷ء کو بھی زیر غور لائی ہے جس میں عدالت نے یہ قرار دیا ہے کہ مذکورہ بالا ایکٹس کے بعض حصے واقعتاً اسلام کے خلاف یا وفاقی شرعی عدالت کے دائرۂ عمل میں مداخلت ہیں لہٰذا حکومت کو چاہئے کہ ان قوانین میں ترمیم کرکے اِن کے متبادل اسلامی قوانین لائے، بصورتِ دیگر ان کے قابل اعتراض حصے ۲۲ جون ۲۰۱۱ء تک نافذ العمل رہنے کے بعد آخر کار کالعدم ہوجائیں گے۔

① وفاقی شرعی عدالت نے اپنے فیصلہ (نکتہ نمبر ۱۱۷ کی شق نمبر ۵) میں ویمن پروٹیکشن ایکٹ کی ترامیم ۱۱ اور ۲۸ کو دستور کی دفعہ ۲۰۳ ڈی ڈی سے متجاوز قرار دیتے ہوئے کہا کہ ان ترامیم کے مؤثر ہونے سے حدود قوانین کی بالاتر حیثیت ختم ہوگئی ہے، اس لئے اُنہیں ختم کیا جائے۔ ان ترامیم کا تعارف وجائزہ حسبِ ذیل ہے:

I. ویمن ایکٹ کی ترمیم نمبر ۱۱ کے ذریعے زنا آرڈیننس کی دیگر انگریزی قوانین پر بالاتر

---

[1] دیکھئے پاکستان کریمنل لاء جرنل ۲۰۰۴ء، ص ۸۹۹ اور PLD 1985 Lah 65

حیثیت کو ختم کردیا گیا تھا۔ اگر حکومت اس کے خلاف اپیل میں نہیں جاتی تو یہ شق ۲۲ جون ۲۰۱۱ء کو ختم جائے گی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ویمن ایکٹ میں زنا کی دیگر متوازی سزاؤں پر سابقہ شرعی سزاؤں کی برتری بحال ہوجائے گی اور عدالت کو یہ موقع حاصل ہوگا کہ وہ زنا کی محض ۵ سال سزا اور زیادہ سے زیادہ ۱۰ ہزار روپے جرمانہ کی بجائے اس پر سابقہ شرعی سزا جاری کرنے کے احکام صادر کرسکے۔

II. ایکٹ کی ترمیم نمبر ۲۸، جس کو خلافِ اسلام قرار دیا گیا ہے، کا مقصد یہ تھا کہ 'لعان' کو کوڈ آف کریمنل پروسیجر ۱۸۹۶ء سے نکال کر میرج ایکٹ ۱۹۳۹ء کا حصہ بنایا جائے تاکہ لعان کی جو سزا قذف آرڈیننس کے سیکشن ۱۴(۴) میں ہے، اس کا اطلاق ختم ہوجائے۔ اب اس ترمیم کے ختم ہوجانے سے 'لعان' کا سابقہ قانون مؤثر ہونے کا بھی جزوی امکان پیدا ہوگیا ہے۔

④ وفاقی شرعی عدالت نے اپنے فیصلہ (نکتہ نمبر ۱۷ کی شق نمبر ۷) میں ویمن پروٹیکشن ایکٹ کی ترامیم نمبر ۲۵ اور ۲۹ کو بھی دستور کی دفعہ ۲۰۳ ڈی ڈی سے تجاوز یعنی خلافِ اسلام قرار دیتے ہوئے نئی متبادل قانون سازی کا مطالبہ کیا ہے۔ محولہ ایکٹ کی ترمیم نمبر ۲۹ کے ذریعے حدود قوانین کے حصے قذف آرڈیننس کو دیگر قوانین پر بالاتر حیثیت کو ختم کیا گیا تھا جبکہ ترمیم نمبر ۲۵ کے ذریعے قذف آرڈیننس کی تین دفعات ۱۳، ۱۱ اور ۱۵ کو حذف کیا گیا تھا، جس کے بعد قذف آرڈیننس غیر مؤثر ہوکر رہ گیا تھا۔ اب عدالت نے نہ صرف قذف آرڈی نینس کی بالاتر حیثیت کو بحال بلکہ اس کی اہم دفعات کو بھی برقرار رکھنے کی تلقین کی ہے۔

جہاں تک زنا آرڈیننس اور قذف آرڈیننس کی دیگر قوانین پر بالاتر حیثیت واپس کرنے کی بات ہے تو یہ اسی جرم پر تعزیراتِ پاکستان میں موجود متوازی سزاؤں کے تناظر میں ایک اہم ضرورت ہے تاکہ فیصلہ کرنے والے جج کو فیصلہ کی تادیبی کاروائی کا انتخاب کرنے میں آسانی ہو۔ مزید برآں یہ اسلامی شریعت کا مسلّمہ تقاضا بھی ہے بلکہ اسلام تو ان جرائم پر جہاں اللہ تعالیٰ نے سزائیں وحی کی صورت میں متعین کردی ہیں، کسی متبادل قانون پر عمل پیرا ہونے کو جاہلیت، ظلم حتیٰ کہ کفر سے تعبیر کرتا ہے۔ ان شرعی قوانین

کی ترجیح پاکستان کی دیگر عدالتوں کے بعض سابقہ فیصلوں کی روشنی میں بھی ایک مسلمہ مسئلہ ہے جیسا کہ وفاقی شرعی عدالت نے ۱۹۸۶ء میں زنا آرڈیننس کو آرمی ایکٹ پر فوقیت دینے کا فیصلہ کیا تھا اور یہ حکم دیا تھا کہ اس کے مجرم کا ٹرائل 'کورٹ آف مارشل' کی بجائے سیشن کورٹس' میں کیا جائے۔[1] ایسے ہی ۱۹۸۵ء میں لاہور ہائی کورٹ نے بھی یہ قرار دیا تھا کہ حدود قوانین کو 'سندھ چلڈرن ایکٹ' پر فوقیت[2] حاصل ہو گی۔

③ علاوہ ازیں عدالت نے اپنے فیصلہ (نکتہ نمبر ۱۱۷ کے شق ۱ تا ۴) میں امتناع دہشت گردی ایکٹ کی دفعہ نمبر ۲۵ اور امتناعِ منشیات ایکٹ ۱۹۹۷ء کی دفعہ ۴۸ اور ۴۹ کو بھی آئین کی دفعہ ۲۰۳ ڈی ڈی سے متجاوز قرار دیتے ہوئے خلافِ اسلام قرار دیا ہے۔ مذکورہ بالا تینوں دفعات میں قرار دیا گیا تھا کہ ان جرائم کی اپیل ہائی کورٹ میں داخل کرائی جائے، جبکہ شرعی عدالت نے یہ حکم دیا ہے کہ

> ''قرآن وسنت کی رو سے جو جرائم حدود کے زمرے میں آتے ہیں اور ان کی سزا قرآن وسنت میں مذکور ہے، ان تمام جرائم میں مدد گار یا اُن سے مماثلت رکھنے والے جرائم بھی حدود کے زمرے میں آتے ہیں۔ اور حدود یا اس سے متعلقہ تمام جرائم پر جاری کئے گئے فوجداری عدالت کے احکامات کی اپیل یا نظر ثانی کا اختیار بلاشرکت غیرے وفاقی شرعی عدالت کو ہی حاصل ہے۔ ایسے ہی حدود جرائم پر ضمانت کے فیصلے کی اپیل بھی صرف اسی عدالت میں ہی کی جائے۔''

عدالت نے ان جرائم کی فہرست مرتب کرتے ہوئے جو حدود کے زمرے میں آتے ہیں، ان جرائم کو بھی اس میں شامل کر دیا ہے جو اس سے قبل مجموعہ تعزیرات پاکستان کے تحت آتے تھے۔ مجموعی طور پر ان جرائم کی تعداد ۱۰ شمار کی گئی ہے: زنا، لواطت، قذف، شراب، سرقہ، حرابہ، ڈکیتی، ارتداد، بغاوت اور قصاص / انسانی سمگلنگ

④ روزنامہ انصاف اور روزنامہ نوائے وقت میں وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کی خبر دیتے ہوئے لکھا گیا کہ

> ''عدالت کے تین رکنی بنچ نے تحفظ حقوق نسواں ایکٹ ۲۰۰۶ء کی چار شقوں کو

۱ دیکھیں ۱۹۸۶ء PSC کا فیصلہ نمبر ۱۲۲۸
۲ دیکھیں پاکستان کریمنل لاء جرنل، فیصلہ نمبر ۱۰۳۰

آئین کے آرٹیکل ۲۰۳ ڈی ڈی سے متصادم قرار دیتے ہوئے وفاقی حکومت کو ہدایت کی ہے کہ وہ ۲۲ جون تک شق نمبر ۲۸، ۲۵، ۱۱ اور ۲۹ کو کالعدم قرار دے کر ترمیم کریں، بصورت دیگر یہ عدالتی فیصلہ بذات خود ترمیم سمجھا جائے گا۔ فیصلہ میں یہ بھی قرار دیا گیا کہ قانون سازی کے ذریعے وفاقی شرعی عدالت کے اختیارات ختم یا تبدیل نہیں کئے جاسکتے۔''[۱]

''نجی ٹی وی کے مطابق عدالت نے چار شقوں کو کالعدم قرار دیتے ہوئے کہا کہ یہ اسلام کے خلاف ہیں۔ عدالت نے زنا بالرضا کو بھی ناجائز اور حدود قوانین کے مطابق غیر اسلامی فعل اور گناہ کبیرہ قرار دیا اور کہا کہ زنا کے بارے میں ایکٹ مذکورہ کے قوانین کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔''[۲]

تبصرہ و تجزیہ

وفاقی شرعی عدالت کا مذکورہ بالا فیصلہ ایک قابل قدر اقدام ہے اور ہم اس کو بنظر تحسین دیکھتے ہیں، بالخصوص اس تناظر میں جب کہ ویمن پروٹیکشن بل پر جاری قومی سطح کے مناظرے ومباحثے میں بعض سیاستدانوں (چودھری شجاعت حسین وغیرہ) نے قوم سے یہ بھی وعدہ کیا تھا کہ اگر یہ ایکٹ کسی بھی طرح خلافِ اسلام ثابت ہو جائے تو وہ اپنے عہدوں سے استعفیٰ دے دیں گے۔ اس موقع پر راقم الحروف کے علاوہ دیگر معروف علمائے کرام نے اس کی خلافِ اسلام دفعات کی نشاندہی کی تھی لیکن چودھری صاحب موصوف نے اس وقت ان کو درخورِ اعتنا نہ جانا۔ اب ایک آئینی عدالت نے اس ایکٹ کی چار دفعات کو خلاف اسلام قرار دے کر حکومت کو ۲۲ جون ۲۰۱۱ء تک مہلت دی ہے کہ وہ متبادل قانون سازی کرے تو اسے کم از کم 'دیر آید درست آید' کا مصداق قرار دیا جاسکتا ہے۔ تاہم اس قدر تاخیر سے آنے والے فیصلہ کے درمیانی چار سالوں میں اس حوالے سے جو بے راہ روی ملک میں جگہ پا گئی ہے، اس کا خمیازہ تو اہل پاکستان کو بھگتنا ہوگا۔

وفاقی شرعی عدالت کا یہ اقدام بھی قابل تحسین ہے کہ اس نے نہ صرف شرعی قوانین

---

۱ روزنامہ نوائے وقت، لاہور: ۲۳ دسمبر ۲۰۱۰ء صفحہ ۶

۲ روزنامہ انصاف، لاہور: ۲۳ دسمبر ۲۰۱۰ء، صفحہ ۷

کی برتری کو دوبارہ قائم کرنے کی کوشش کی ہے، بلکہ حدود قوانین سے قریب تر دیگر قوانین میں ہیرا پھیری کے ذریعے جو اُنہیں شرعی سزاؤں اور تادیب سے دور رکھا گیا تھا، ان کو دوبارہ شرعی عدالت کے دائرہ عمل میں لانے کی تلقین بھی کی ہے۔ اور حکومت کو پابند کیا ہے کہ ان شرعی سزاؤں کے بارے میں نہ صرف آرمی کورٹس، بلکہ دہشت گردی اور امتناع منشیات وغیرہ کے قوانین کی آڑلے کر ان کو انگریزی قوانین کے دائرے میں نہ لایا جائے۔ بلکہ انہیں شرعی عدالت اور اس کے ماتحت عدالتوں میں ہی سماعت کیا جائے تاکہ مستغیث اور مدعا علیہ شرعی فیصلے سے استفادہ کرسکیں۔ شرعی عدالت کا اپنے حقوق کو محفوظ کرنے کا رویہ قابل تعریف ہے، کیونکہ یہ اُصولی طور پر قیام پاکستان کے مقصد سے ہم آہنگ ہے جس کا تقاضا ہی یہ تھا کہ اس ملک کے باشندے اینگلو سیکسن لاز کی بجائے اللہ کے دیے ہوئے شرعی نظام عدل میں اپنی زندگی گزاریں اور پاکستان میں اسلام کا ہر شعبے میں بول بالا ہو۔

تاہم اس موقع پر یہ اضافہ کرنا اور یاددہانی کرانا انتہائی ضروری ہے کہ وفاقی شرعی عدالت نے ویمن پروٹیکشن ایکٹ کی خرابیوں میں سے صرف ایک تہائی کی ہی نشاندہی کی ہے۔ حالانکہ یہ پورا کا پورا ایکٹ ہی اس قابل ہے کہ اس کو خلافِ اسلام قرار دے کر مسترد کیا جائے۔ اس ایکٹ کی ۲۹ ترامیم کے نتیجے میں: حد زنا آرڈیننس ۱۹۷۹ء کی ۲۲ میں سے ۱۲ دفعات کو منسوخ اور ۶ کو تبدیل کر دیا گیا تھا جبکہ حد قذف آرڈیننس کی ۲۰ میں ۸ کو منسوخ اور ۶ میں ترمیم کی گئی تھی جس کے بعد اوّل الذکر میں محض ۴ دفعات اور ثانی الذکر آرڈیننس میں صرف ۶ دفعات اپنی اصل شکل میں باقی رہ گئی تھیں۔ راقم نے دسمبر ۲۰۰۶ء میں اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ

”اس بل کی خلافِ اسلام ترامیم کو اگر حذف یا درست بھی کر دیا جائے تب بھی اس قانون کے نظام اجرا میں ایسے مسائل پیدا کر دیے گئے ہیں کہ جس کے بعد معاشرے میں عملاً زنا کی روک تھام ناممکن ہوگئی ہے، اس لئے یہ بل ناقابل اصلاح ہے۔ اس بل کے ذریعے حدود سے متعلقہ ۹ جرائم کو تعزیراتِ پاکستان میں منتقل کر دیا گیا ہے اور ترمیم شدہ حدود آرڈیننس کے تحت صرف ۲ جرائم ہی باقی رہ گئے

ہیں۔ پھر ان ۱۱ میں سے جن ۷ جرموں کی سزا دینا مقصود ہے، ان کو پولیس کی عمل داری میں رکھا گیا ہے اور اس کے مجرم کو بلا وارنٹ بھی گرفتار کیا جاسکتا ہے اور وہ تمام زنا بالجبر اور اس سے متعلقہ جرائم ہیں جن میں خواتین سزا سے مستثنیٰ ہیں (اور یہی اس بل کی وجہ تسمیہ ہے)، جبکہ پانچ جرائم محض نمائشی ہیں جن میں بچے کھچے حدود قوانین کے دو جرائم بھی شامل ہیں۔"[1]

ویمن ایکٹ کا اہم مسئلہ اس کے لئے مجوزہ پروسیجرل لاء کے ناقابل عمل تقاضے ہیں، جیسا کہ اوپر مختصراً ذکر ہوا۔ جبکہ ابھی تک باقی رہ جانے والی قانونی خرابیوں میں صدر اور صوبائی حکومتوں کا اس کے مجرم کو معاف کرنے کا اختیار، شوہر پر زنا بالجبر کا مضحکہ خیز جرم اور اس پر سزائے موت کا ہونا بھی خلافِ اسلام ہیں۔ مزید بر آں ثبوتِ زنا کے لئے پانچ گواہوں کا غیر شرعی مطالبہ یا زانی کے اعتراف کر لینے اور لعان کے دوران بیوی کے اعترافِ زنا کو ثبوتِ جرم کے لئے ناکافی سمجھنا وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو تا حال اس ایکٹ کا غیر اسلامی حصہ ہیں۔

مسلمانانِ پاکستان کو چاہئے کو ویمن پروٹیکشن ایکٹ کے ان باقی حصوں کے خلافِ اسلام ہونے پر بھی وفاقی شرعی عدالت میں درخواست دائر کریں۔ آج وطن عزیز میں امن وامان کی جو بدترین صورتحال ہے؛ ایسا کبھی نہ ہوتا، اگر ہم نے اللہ سے کئے گئے وعدوں کو پورا کرتے ہوئے یہاں شرعی قوانین کو نافذ کیا ہوتا۔ شریعتِ اسلامیہ کے علاوہ کسی قانون میں ایسی قوت نہیں کہ وہ معاشرے میں امن وامان کے ضامن ہوں اور یہ بات آج بھی ترقی یافتہ مغرب اور اسلامی قوانین پر عمل پیرا سعودی عرب میں امن وامان کی صورتحال کے ایک تقابلی جائزے کے بعد بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے۔

مسلمان فرد کیلئے اسلام کا سب سے بڑا انعام اطمینان وسکون کی فراوانی ہے اور کسی مسلم اجتماعیت کی سب سے بڑی نعمت امن وسلامتی ہیں جس پر قرآنِ کریم کی بہت سی آیات شاہد ہیں۔ آج اسلام کو چھوڑ کر ہم ہر لمحہ بے چینی واضطراب اور المناک قتل وغارت گری کا شکار ہیں، تب بھی حیرانی ہے کہ اپنے ربّ کی طرف کیوں رجوع کیوں نہیں کرتے!! (ڈاکٹر حافظ حسن مدنی)

---

۱ مزید تفصیل کے لئے دیکھیں محدث، شمارہ دسمبر ۲۰۰۶ء: ص ۲۲،۲۳

ابو عبد اللہ طارق[1]

روایتِ شداد بن اَوسؓ اور شرکِ اکبر کا وجود

فن حدیث کی رو سے تحقیقی جائزہ

انہی دنوں بعض لوگوں نے یہ نیا دعویٰ شروع کر دیا ہے کہ اُمتِ مسلمہ میں شرکِ اکبر نہیں پایا جاسکتا اور اِس اُمت کا کوئی فرد شرکِ اکبر نہیں کر سکتا۔ اس دعویٰ سے مقصود یہ ہے کہ آج اگر بعض لوگوں کو شرک سے بچنے کی تلقین کی جائے تو وہ یہ جواب دے سکیں کہ

”بھائی! اب شرک کیسا، اس کا تو اس اُمت میں امکان ہی نہیں ہے۔“

اس مقصد کے لئے شداد بن اَوس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت بلند و بانگ دعوؤں کے ساتھ پیش کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روایت میں سورج، چاند، پتھر اور بتوں کی پوجا کا مسلمانوں سے اِمکان رد کر دیا ہے، لہٰذا مسلمان کبھی بھی شرکِ اکبر کے مرتکب نہیں ہو سکتے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب یہ روایت شداد بن اوس کی زبانی یوں بیان کی جاتی ہے:

قال رسول الله ﷺ: « إنّ أخوف ما أتخوف على أمتي الإشراك بالله أما إنّي لست أقول يعبدون ولا شمسا ولا قمرا ولا وثناء ولٰكن أعمالا لغير الله وشهوة خفية »[2]

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: مجھے اپنی اُمت پر سب سے زیادہ خطرہ اللہ کے ساتھ شرک کا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ سورج، چاند اور بت کی عبادت کریں گے لیکن وہ عمل کریں گے، اللہ کے علاوہ دوسروں کے (دکھانے کے) لئے اور شہوتِ خفیہ کا“

۱ اُستاذِ حدیث جامعہ لاہور الاسلامیہ Lahore Islamic University جوہر ٹاؤن برانچ، لاہور

۲ سنن ابن ماجہ: ۴۵۰۵

روایتِ مذکور کی تحقیق

ابن ماجہ کی یہ روایت رواد بن الجراح عن عامر بن عبد الله عن الحسن ابن ذكوان عن عباده بن نسي عن شداد بن أوس کی سند سے مروی ہے۔

① روایتِ مذکور پر علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے ضعف کا حکم لگایا ہے۔[1]

② ڈاکٹر بشار عواد معروف بھی اس روایت کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔[2]

③ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

"(یہ روایت) ضعیف ہے اور اس کے دو شاہد ہیں جو ضعیف جدًا ہیں۔"[3]

④ اِس روایت کی سند میں تین علتیں ہیں:

پہلی علت: حسن بن ذکوان ابو سلمہ بصری مدلس ہے اور عَن کے ساتھ بیان کرتا ہے اور اس نے سماع کی صراحت بھی نہیں کی جیسا کہ

① حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

صدوق يخطىء رمي بالقدر وكان يدلس من السادسة[4]

"یہ صدوق ہے (حدیث میں) غلطیاں کرتا ہے، قدری (تقدیر کا منکر) ہے۔ تدلیس کرتا ہے اور طبقہ سادسہ سے ہے۔"

② مزید فرماتے ہیں: أشار ابن مساعد إلىٰ أنه كان مدلسًا[5]

"ابن مساعد نے اِس کے مدلس ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔"

③ امام علائی، ابوزرعہ ابن الصراقی، سیوطی، حلبی اور الدمینی نے بھی اِس کو مدلسین میں ذکر[6] کیا ہے: فدلسه بإسقاط عمرو بن أبي خالد[7]

---

1 ضعیف سنن ابن ماجہ، ص ۳۲۶، ضعیف الجامع الصغیر، ص ۱۸۹، ضعیف الترغیب والترہیب: ۲۹/۱

2 حاشیہ سنن ابن ماجہ بتحقیقہ زیر رقم: ۳۹۰۵

3 انوار الصحیفۃ: ص ۵۲۹

4 تقریب التہذیب ص ۷۰

5 مراتب المدلسین رقم: ۷۰، طبقہ ثالثہ

6 الفتح المبين في تحقيق طبقات المدلسين، ص ۵۰

7 إتحاف ذوي الرسوخ بمن رمي بالتدليس من الشيوخ ص ۲۳

''اِس نے عمرو بن ابو خالد کا واسطہ گرا کر تدلیس کی ہے۔''

④ حافظ ابن حجر، امام ابن عدی جرجانی سے ایک روایت کے متعلق بیان فرماتے ہیں کہ

إنما سمعها الحسن من عمرو بن خالد عن حبيب فأسقط الحسن بن ذكوان عمرو بن خالد من الوسط[1]

'' اِس روایت کو حسن نے عمرو بن خالد سے سنا۔ پس حسن بن ذکوان نے درمیان سے عمرو بن خالد کو گرا دیا۔''

⑤ نیز ایک روایت کے متعلق فرماتے ہیں:

فقيل للحسن بن ذكوان سمعته من الحسن قال: لا قال العقيلي ولعله سمع من الأشعث يعني فدلسه[2]

''حسن بن ذکوان سے پوچھا گیا کہ (کیا) تو نے اِس کو حسن سے سنا ہے تو اُس نے جواب دیا کہ نہیں۔ امام عقیلی فرماتے ہیں کہ شاید اِس نے اِس کو اَشعث سے سنا ہو، یعنی اِس (حسن بن ذکوان) نے اِس میں تدلیس کی ہے۔''

جہاں تک مدلس کی عن کے ساتھ بیان کردہ روایت کے قابل حجت نہ ہونے کی بات ہے تو علامہ امام عینی حنفی فرماتے ہیں:

والمدلِّس لا يحتج بعنعنته إلا اَن يثبت سماعه من طريق آخر[3]

''مدلس کی عن کے ساتھ بیان کی ہوئی روایت قابل حجت نہیں ہوتی اِلا کہ دوسری سند سے اس کا سماع ثابت ہو جائے۔''

یہ سند حسن بن ذکوان کی تدلیس اور عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے اور قابل حجت نہیں۔ بلکہ ڈاکٹر بشار عواد معروف اور شیخ شعیب ارناؤوط، حافظ ابن حجر کے اِس راوی کو صدوق کہنے کا تعاقب/تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

'' بلکہ (حسن بن ذکوان) ضعیف ہے۔ اِس کو یحییٰ بن معین، ابو حاتم رازی، امام نسائی، ابن ابی الدنیا اور امام دار قطنی نے ضعیف کہا ہے اور امام احمد فرماتے ہیں کہ

---

۱ تہذیب التہذیب: ۲/۲۷۷

۲ ایضًا

۳ عمدۃ القاری: باب الوضوء من الحدث ۲/۵۸۹

اِس کی بیان کردہ حدیثیں باطل ہیں۔"[1]

⑥ امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں:
"عجیب وغریب روایتیں بیان کرنے والا اور منکر الحدیث ہے۔"
اور فرمایا کہ کان قدریا "یہ قدری (تقدیر کا منکر) تھا۔"

⑦ امام احمد بن حنبل بھی فرماتے ہیں: أحادیثه أباطیل
"اس کی بیان کردہ حدیثیں باطل ہیں۔"

⑧ امام اثرم فرماتے ہیں:
میں نے ابو عبد اللہ سے پوچھا کہ آپ حسن ذکوان کے متعلق کیا فرماتے ہیں:
"تو اُنہوں نے کہا کہ اُس کی بیان کردہ حدیثیں باطل ہیں۔"

⑨ امام آجری امام ابو داؤد سے بیان کرتے ہیں کہ کان قدریًا "یہ قدری تھا۔"
(امام آجری) فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ زعم قوم أنه کان فاضلا. قال ما بلغني عنه فضل[2]
"کچھ لوگ اُسے (عالم) فاضل گمان کرتے ہیں تو (امام ابو داؤد) نے جواب دیا کہ مجھے تو اُس کے فضل والی کوئی بات نہیں پہنچی۔"

دوسری علت: اِس روایت کے ضعیف ہونے کی دوسری علت عامر بن عبد اللہ ہے۔

① حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:
"روّاد کا شیخ عامر بن عبد اللہ مجہول ہے۔"[3]

② امام منذری فرماتے ہیں: لا یعرف "یہ راوی معروف نہیں، (یعنی مجہول) ہے۔"[4]

③ امام ذہبی فرماتے ہیں:
عن الحسن بن ذکوان وعنه روّاد بن الجراح نکرة[5]

---

١ تحریر تقریب التہذیب: ١/٢٧٣ طبع بیروت
٢ تہذیب التہذیب: ٢/٢٧٧
٣ التقریب: ص ١٦١
٤ الترغیب والترہیب ١/١٧، طبع دار الکتب العلمیہ، بیروت
٥ الکاشف: ٢/٥١

''یہ حسن بن ذکوان سے روایت کرتا ہے اور اِس (یعنی عامر) سے رواد بن جراح روایت کرتا ہے۔ (اِس میں) نکارت ہے۔''

④ امام ابن عدی جرجانی فرماتے ہیں: منکر الحدیث ہے۔[1]

⑤ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

''یحییٰ بن معین کے اِس کے بارے میں (دو) مختلف قول ہیں۔ ابن عبد البرقی نے اِس کے بارے میں اُن سے بیان کیا ہے کہ یہ ثقہ ہے اور عباس الدوری نے اِس کے بارے میں اُن سے بیان کیا ہے کہ لیس بشيء یہ کچھ بھی نہیں ہے۔''[2]

محدثین کے ہاں لیس بشيء جرح کے الفاظ میں سے ہے جو راوی کے ضعیف ہونے کے بارے میں استعمال ہوتے ہیں۔

تیسری علت: اِس میں ایک راوی روّاد بن الجراح ہے جس کے بارے میں

① امام دارقطنی فرماتے ہیں: ''یہ متروک ہے۔''[3]

② امام ذہبی فرماتے ہیں: له مناكير ضُعّف[4]

''اِس کی (بیان کردہ روایتیں) منکر ہیں، اِسے ضعیف قرار دیا گیا ہے۔''

③ امام زیلعی لکھتے ہیں: قال الشيخ في الإمام ليس بالقوي[5] ''یہ قوی نہیں ہے۔''

④ امام نسائی فرماتے ہیں:

ليس بالقوى روى غير حديث منكر وكان قد اختلط[6]

''یہ قوی نہیں ہے۔ اِس نے کئی ایک منکر حدیثیں روایت کی ہیں اور اسے اختلاط ہو گیا تھا۔''

⑤ امام ابن الجوزی فرماتے ہیں:

---

۱ میزان الاعتدال: ۳۶۱/۲

۲ تعجیل المنفعۃ: ص ۲۰۷

۳ میزان الاعتدال ۵۵/۱

۴ الکاشف ۲۴۳/۱

۵ نصب الرایۃ: ۱۸۸/۱

۶ کتاب الضعفاء والمتروکین: ص ۲۹۰

أدخله البخاري في الضعفاء وقال: كان قد اختلط لا يكاد يقوم حديثه[1]

"امام بخاری نے اس کو ضعفا میں داخل کیا ہے اور (یہ بھی) فرمایا ہے کہ اِسے اختلاط ہو گیا تھا۔ اِس کی (بیان کردہ) حدیث مضبوط نہیں ہوتی۔"

⑥ امام ابو حاتم فرماتے ہیں:

محله الصدق تغير حفظه وقال مرة: كان قد اختلط لا يكاد يقوم له حديث قائم[2]

"صدوق ہے۔ اِس کا حافظ متغیر ہو گیا تھا اور ایک مرتبہ کہا کہ: اِس کو اختلاط ہو گیا تھا۔ اس کی بیان کردہ حدیث مضبوط نہیں ہوتی۔"

⑦ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

صدوق اختلط بآخره فتُرك[3]

"صدوق ہے۔ آخر میں اسے اختلاط ہو گیا تھا پس ترک کر دیا گیا۔"

⑧ نیز فرماتے ہیں: "رواد ضعیف ہے۔"[4]

⑨ امام ابن الجوزی فرماتے ہیں:

وقال أحمد: حديث عن سفيان أحاديث مناكير[5]

"امام احمد فرماتے ہی: اِس نے سفیان سے منکر روایتیں بیان کیں ہیں۔"

⑩ امام ابن عدی فرماتے ہیں: عامة ما يرويه لا يتابعه الناس عليه وكان شيخًا صالحا وفي الصالحين بعض النكرة الا أنه يكتب حديثه

"لوگ عام طور پر اِس کی بیان کردہ روایتوں پر اِس کی متابعت نہیں کرتے۔ نیک شیخ تھا اور نیک لوگوں میں ہی کچھ نکارت ہوتی ہے۔ مگر اِس کی حدیث کو لکھا جائے گا۔"

⑪ ابن حبان نے اِس کو ثقات میں ذکر کیا اور کہا کہ يخطئ ويخالف

---

١ ایضًا: ١/٢٨٦

٢ الجرح والتعدیل: ٣/٥٢٤

٣ تقریب التہذیب: ص ١٠٤

٤ الاصابہ: ٢/٢٨٢

٥ کتاب الضعفاء والمتروکین: ١/٢٨٦

''غلطیاں کرتا اور (ثقات کے) خلاف روایتیں بیان کرتا ہے۔''

⑫ یعقوب بن سفیان نے کہا کہ ''یہ حدیث (بیان کرنے) میں ضعیف ہے۔''

⑬ امام دارقطنی فرماتے ہیں: ''یہ متروک ہے۔''

⑭ امام ابو احمد حاکم فرماتے ہیں: تغیر بآخرة فحدث بأحاديث لم يتابع عليه
''آخر میں اِس کا حافظہ خراب ہو گیا تھا۔ پس اس نے ایسی ایسی حدیثیں بیان کیں جن پر اس کی متابعت نہیں کی گئی۔''

⑮ امام محمد بن عوف الطائی فرماتے ہیں: دخلنا عسقلان فإذا بِرواد قد اختلط
''ہم عسقلان میں داخل ہوئے۔ پس رواد کو اختلاط ہو چکا تھا۔''

⑯ امام ساجی فرماتے ہیں: عنده مناكير ''اِس کے پاس منکر روایتیں ہیں۔''

⑰ حفاظ نے کہا کہ كثيرًا ما يخطئ ويتفرد بحديث ضعفه الحفاظ فيه وخطؤه
''اکثر غلطیاں کرتا اور ایسی حدیثیں بیان کرنے میں متفرد ہے۔ جن کی وجہ سے حفاظ نے اِس کو ضعیف اور خطاکار قرار دیا ہے۔''

⑱ ابن معین سے مروی ہے کہ لا بأس به إنما غلط في حديث سفيان
''اِس میں کوئی حرج نہیں۔ اِس نے سفیان کی حدیث میں غلطیاں کیں ہیں''

⑲ اور اِن سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ ثقہ ہے۔

⑳ امام احمد فرماتے ہیں: ''صاحبِ سنت ہے، اِس میں کوئی حرج[1] نہیں ہے۔''[2]

㉑ مفتی احمد یار خان نعیمی ایک حدیث کی سند پر بحث کرتے ہوئے ایک راوی کو ضعیف اور دوسرے کو مجہول کہنے کے بعد فرماتے ہیں:
''ان دو نقصوں کی وجہ سے ہی یہ (روایت) ناقابل عمل ہے۔''[3]

---

1 پہلے مذکور جرح کرنے والے ائمہ کے مقابلہ میں بعض کے اِس کو صدوق کہنے سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے کیونکہ اِن صدوق کہنے والے ائمہ نے خود بھی اِس راوی پر جرح کی ہے اور پھر ان کا اِس کو صدوق کہنا باقی ائمہ کے بھی خلاف ہے۔ جنہوں نے اِس پر جرح کر رکھی ہے۔ یوں بھی جرحِ مفسر جمہور کے نزدیک تعدیل پر مقدم ہوتی ہے۔ (ضوابط الجرح والتعدیل ص ۴۴)

2 تہذیب التہذیب: ۲۸۹/۳

3 جاء الحق، ص ۵۲۰، طبع جدید

متابعت

ابن ماجہ کی بیان کردہ اِس روایت کے دو متابع ذکر کیے جاتے ہیں:

متابع اوّل: یہ روایت مسند احمد[1]، مستدرک حاکم[2]، شعب الایمان للبیہقی[3]، طبرانی کبیر[4]، طبرانی اوسط[5]، مسند شامیین[6] اور حلیۃ الاولیاء[7] میں عبد الواحد بن زید بصری عن عبادۃ بن نسی عن شداد بن أوس کی سند سے مروی ہے اور اس کو یوں بیان کیا جاتا ہے کہ شداد کہتے ہیں:

قلت يا رسول الله! أتشرك أمتك من بعدك؟ قال «نعم»، قال: «أما إنهم لا يعبدون شمسًا ولا قمرًا ولا حجرًا ولا وثنًا»

''میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ کے بعد آپ کی اُمت شرک کرے گی فرمایا: ہاں۔ فرمایا خبردار، وہ سورج، چاند، پتھر اور بت کی پوجا نہیں کریں گے (لیکن لوگوں کے دکھلاوے کے لیے عمل کریں گے)۔''

اور اِس کے متعلق امام حاکم کی تصحیح کا بڑے زور و شور سے ذکر کیا جاتا ہے۔

① حالانکہ ان کے متعلق امام زیلعی لکھتے ہیں:

تصحيح الحاكم لا يعتد به فقد عرف تساهله في ذلك[8]

''امام حاکم کے کسی حدیث کو صحیح کہنے کو معتبر نہیں سمجھا جائے گا، کیونکہ اس بارے (صحیح قرار دینے) میں ان کا تساہل معروف ہے۔''

② نیز دوسرے ائمۂ حدیث نے امام حاکم کی طرف سے اِس روایت کی تصحیح کی تردید بھی کی ہے۔ امام منذری، امام حاکم کی تصحیح نقل کرنے کے بعد اِس کو رد کرتے ہوئے کہتے ہیں:

---

1 ج ۴/ ص ۱۲۴، رقم ۱۷۱۲۰
2 رقم ۸۱۰۶، دوسرا نسخہ ۷۹۴۰، تیسرا نسخہ: ۴/ ۳۳۰
3 رقم ۶۴۱۱، دوسرا نسخہ ۶۸۳۰
4 رقم ۷۱۴۵، ۷۱۴۴
5 رقم ۴۲۱۳
6 رقم ۲۲۳۶
7 رقم ۱/ ۲۶۸
8 نصب الرایہ: ۱/ ۳۴۴

”یہ روایت صحیح کیسے ہو سکتی ہے۔ حالانکہ اِس میں عبد الواحد بن زید متروک (راوی) ہے۔“[1]

③ علامہ البانی فرماتے ہیں:
”حاکم نے کہا ہے کہ اِس کی سند صحیح ہے۔ جبکہ امام ذہبی اور اُن سے پہلے امام منذری نے اِس کا تعاقب کیا ہے کہ اِس میں عبد الواحد بن زید زاہد، قصہ گو اور متروک راوی ہے۔“[2]

④ امام ذہبی اور امام ابن الملقن بھی امام حاکم کا تعاقب ورد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
”یہ متروک ہے۔“[3]

⑤ علامہ البانی فرماتے ہیں:
”یہ روایت ضعیف جدًا یعنی انتہائی ضعیف ہے۔“[4]

⑥ شیخ شعیب اَرناؤوط اور مسند احمد کی تحقیق میں اُن کے ساتھ محققین کی جماعت نے کہا ہے کہ اِس روایت کی سند ضعیف جدًا (انتہائی ضعیف) ہے۔[5]

⑦ علامہ مختار احمد ندوی شعب الایمان کی تحقیق و تعلیق میں اسی مذکورہ روایت پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
إسناده ضعيف، عبد الواحد بن زيد متروك الحديث
”اس روایت کی سند ضعیف ہے اسمیں عبد الواحد بن زید و متروک الحدیث ہے“

⑧ اور امام ہیثمی فرماتے ہیں: فيه عبد الواحد بن زيد وهو ضعيف
”اس میں عبد الواحد بن زید ہے اور وہ ضعیف ہے۔“[6]

⑨ امام نسائی فرماتے ہیں: ”یہ متروک الحدیث ہے۔“[7]

---

۱ الترغیب والترہیب: ۱/۱۷ طبع دار الکتب العلمیہ، بیروت
۲ ہدایۃ الرواۃ: ۵/۶۷
۳ تلخیص حاشیہ مستدرک ۵/۲۴۸
۴ ضعیف الترغیب والترہیب: ۱/۲۹
۵ الموسوعة الحديثية مسند احمد ۲۸/۳۴۷، طبع دوم، بیروت
۶ مجمع الزوائد: ۳/۲۰۲
۷ الضعفاء والمتروکون: ص ۱۵۲، دوسرا نسخہ ص ۲۹۲، رقم ۳۷۰

⑩ امام ذہبی فرماتے ہیں: قال البخاري والنسائي متروك[1]
''یعنی امام بخاری اور امام نسائی فرماتے ہیں: یہ متروک ہے۔''

⑪ امام ذہبی فرماتے ہیں: ''امام بخاری نے فرمایا کہ یہ متروک ہے۔''[2]

⑫ امام ابن ابی حاتم رازی فرماتے ہیں: عمرو بن علي قال كان عبد الواحد بن زيد قاصا وكان متروك الحديث[3]
عمرو بن علی فرماتے ہیں: ''عبد الواحد بن زید قصہ گو اور متروك الحديث تھا۔''

⑬ امام ابن الجوزی فرماتے ہیں: قال الفلاس: متروك الحديث[4]
''فلاس فرماتے ہیں کہ یہ متروک الحدیث ہے۔''

⑭ نیز امام دار قطنی نے اِس (عبد الواحد) کو کتاب الضعفاء والمتروکین میں ذکر[5] کیا ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں:
عبد الواحد بن زيد البصري عن الحسن و عن عبادة بن نسي تركوه[6]
'' عبد الواحد بن زید بصری حسن اور عبادہ بن نسی سے روایت کرتا ہے۔ محدثین نے اس کو ترک کر دیا ہے۔''

⑮ امام احمد بن صالح فرماتے ہیں:
لا يترك حديث الرجل حتى يجتمع الجميع علىٰ ترك حديثه نيز فأما أن يقال فلان متروك فلا إلا أن يجمع الجميع على ترك حديثه[7]
''یعنی اُس وقت تک کسی راوی کی حدیث کو ترک نہیں کیا جاتا اور کسی راوی کو

1 المغنی فی الضعفاء: ۱/ ۵۸۱، رقم ۳۸۶۹
2 دیوان الضعفاء والمتروکین ص ۲۰۳
3 الجرح والتعدیل للرازی ۶/ ۲۰، رقم ۱۰۷
4 کتاب الضعفاء والمتروکین ۲/ ۱۵۵
5 ص ۱۲۰، رقم ۳۴۳
6 الضعفاء الصغیر، ص ۱۵۴، رقم: ۲۳۰، التاریخ الکبیر: ۶/ ۶۲، رقم: ۱۷۱۳
7 ضوابط الجرح والتعدیل، ۱۴۵

متروک نہیں کہا جاتا جب تک کہ سب (محدثین) اُس کی حدیث کو ترک کرنے پر اتفاق نہ کرلیں۔"

⑯ امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں: ليس بشيء یعنی "یہ (حدیث میں) کچھ بھی نہیں ہے۔"[1]

⑰ نیز فرماتے ہیں: عبد الواحد بن زيد ليس حديثه بشيء ضعيف الحديث[2]
"عبد الواحد بن زید کی (بیان کردہ) حدیث کی کچھ بھی (حیثیت) نہیں ہے۔ یہ ضعیف الحدیث ہے۔"

⑱ امام ابوحاتم فرماتے ہیں: ليس بالقوي في الحديث ضعيف بمرة[3]
"یہ حدیث میں مضبوط نہیں ہے، ایک مرتبہ فرمایا: ضعیف ہے۔"

⑲ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: قال يعقوب بن شيبة صالح متعبد وأحسبه كان يقول بالقدر وليس له علم بالحديث وهو ضعيف وقد دلس بشيء
"یعقوب بن شیبہ فرماتے ہیں، یہ نیک عبادت گزار ہے اور میں گمان کرتا ہوں کہ یہ تقدیر کا انکار کرتا تھا، اور اِسے حدیث کا کچھ بھی علم نہیں تھا اور یہ ضعیف ہے۔ کچھ تدلیس بھی کرتا ہے۔"

⑳ قال النسائي: ليس بثقة
"امام نسائی فرماتے ہیں: یہ ثقہ نہیں ہے۔"

㉑ ذكره الساجي والعقيلي وابن شاهين وابن الجارود في الضعفاء
"اس کو امام ساجی، عقیلی، ابن شاہین اور ابن الجارود نے ضعفاء میں ذکر کیا ہے۔"

㉒ نیز حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: كان فمن يقلب الأخبار من سوء حفظه وكثرة وهمه فلما كثر استحق الترك[4]

---

۱ تاریخ یحییٰ بن معین: ۴/۸۹، رقم ۳۲۸۹، تاریخ عثمان بن سعید دارمی: ص ۱۴۸، رقم ۵۰۶، الضعفاء الکبیر للعقیلی: ۳/۵۴، رقم ۱۰۱۴

۲ الجرح والتعدیل للرازی: ۶/۲۰، رقم ۱۰۷

۳ ایضًا

۴ لسان المیزان: ۴/۹۹ دوسرا نسخہ ۸۱

"..یہ اپنے سوءِ حفظ اور کثرتِ وہم کی وجہ سے اخبار کو اُلٹ پلٹ کر دینے والوں میں سے ہے پس جب یہ کثرت سے ایسا کرنے لگا تو ترک کر دیئے جانے کا مستحق ٹھہرا"

۲۳ حافظ ابن حجر مزید فرماتے ہیں: قال يعقوب بن سفيان: ضعيف، وقال أبو عمرو بن عبد البر أجمعوا على ضعفه[1]

"یعقوب بن سفیان فرماتے ہیں: یہ ضعیف ہے اور امام ابو عمرو بن عبد البر فرماتے ہیں کہ اس کے ضعف پر محدثین کا اتفاق ہے۔"

۲۴ امام ابن حبان فرماتے ہیں:

كان ممن غلب عليه العبادة حتى غفل عن الإتقان فيما يروي فكثر المناكير في روايته على قلتها فبطل الاحتجاج به[2]

"یہ اُن میں سے تھا جن پر عبادت غالب آگئی حتیٰ کہ یہ جن روایتوں کو بیان کرتا اُن میں ضبط واتقان سے غافل ہو گیا۔ پس اِس کی روایتیں کم ہونے کے باوجود اکثر منکر ہیں۔ پس اِس کے ساتھ دلیل پکڑنا باطل ہے۔"

پس ابن حبان کے اِس راوی عبد الواحد بن زید بصری کے بارے میں اِن مذکورہ ریمارکس سے ہی ابن حبان کے اِس راوی کو کتاب الثقات میں ذکر[3] کرنے کا ازخود ردّ بھی ہو جاتا ہے۔

۲۵ نیز حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: وذكره أيضًا في الثقات فما أجاد[4]

"ابن حبان نے اِس راوی کو کتاب الثقات میں بھی ذکر کر کے اچھا نہیں کیا۔"

۲۶ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

عبد الواحد بن زيد البصرى، منكر الحديث عن الحسن وعبادة بن نسي[5] "عبد الواحد بن زید بصری منکر الحدیث ہے، حسن اور عبادۃ بن نُسی سے

---

۱ تعجیل المنفعۃ: ص۲۶۶
۲ کتاب المجروحین: ۲/۱۳۹، رقم ۶۷۷
۳ ۷/۱۲۴
۴ لسان المیزان: ۴/۹۹ دوسرا نسخہ ۸۱ نیز دیکھیں: تعجیل المنفعۃ: ص۲۶۶
۵ التاریخ الصغیر: ص۱۸۱، دوسرا نسخہ: ص۱۴۴..... نیز دیکھیں تعجیل المنفعۃ: ص۲۶۶

روایت کرتا ہے۔''

نیز امام صاحب فرماتے ہیں:

من قلت فيه منكر الحديث فلا تحل الرواية عنه[1] ''جس کے بارے میں میں یہ کہہ دوں کہ یہ منکر الحدیث ہے تو اُس سے روایت کرنا حلال نہیں ہے۔''

یہ تو صورتحال تھی پہلے متابع کی، اب آتے ہیں دوسرے متابع کی طرف جس کی صورتِ حال اس سے بھی زیادہ خراب ہے:

دوسرا متابع

یہ روایت حلیۃ الأولیاء[2] میں عطاء بن عجلان عن خالد محمود بن الربيع عن عبادة بن نسی عن شداد بن أوس سے مروی ہے۔اس کے متن کے الفاظ عبد الواحد بن زید بصری کے روایت کردہ الفاظ ہی ہیں۔

① اِس سند میں راوی ابو محمد عطا بن عجلان بصری عطار کے متعلق حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ''یہ متروک ہے بلکہ ابن معین اور فلاس نے اِس کو کذاب کہا ہے۔''[3]

② امام نسائی فرماتے ہیں: مُنكر الحديث ہے۔[4]

③ امام ابن معین فرماتے ہیں: ''یہ کچھ بھی نہیں ہے (بس) کذاب ہے۔'' اور ایک مرتبہ فرمایا کہ ''اس کے لئے حدیث گھڑی جاتی تھی اور یہ اِس کو روایت کر دیتا تھا۔''

④ فلاس فرماتے ہیں: ''یہ کذاب ہے۔''

⑤ امام بخاری فرماتے ہیں: ''یہ منکر الحدیث ہے۔''

⑥ امام ابو حاتم اور امام نسائی فرماتے ہیں: ''متروک ہے۔''

⑦ امام دار قطنی فرماتے ہیں: ''یہ ضعیف ہے (اور متابعات و شواہد میں بھی) قابل اعتبار نہیں ہے اور ایک مرتبہ فرمایا کہ یہ متروک ہے۔''[5]

---

۱ ضوابط الجرح والتعدیل: ص ۱۴۸

۲ حلیۃ الاولیاء: ۱/ ۲۶۸

۳ تقریب التہذیب: ص ۲۳۹

۴ کتاب الضعفاء والمتروکین: ص ۲۷۲

۵ میزان الاعتدال: ۳/ ۷۲

⑧ امام سعدی فرماتے ہیں: ''یہ کذاب ہے۔''

⑨ امام ابن عدی جرجانی اس کی بیان کردہ بعض روایتیں ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

ولعطاء بن عجلان غير ما ذكرت وما ذكرت وما لم أذكر عامة رواياته غير محفوظة[1]

''جو میں نے ذکر کی ہیں، ان کے علاوہ بھی عطا بن عجلان کی روایتیں بھی ہیں اور عام طور پر اِس کی بیان کردہ روایتیں غیر محفوظ ہیں، چاہے میں نے اُن کو ذکر کیا ہے یا ذکر نہیں کیا۔''

⑩ امام ذہبی فرماتے ہیں:

''واہٍ (انتہائی کمزور) ہے اور بعض ائمہ نے اِسے متہم (بالکذب) قرار دیا ہے۔''[2]

⑪ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

وقال عباس الدوري عن ابن معين ليس بثقة وقال في موضع آخر: كذاب وقال في موضع آخر: لم يكن بشيء كان يضع له الأحاديث فيحدث بها

''ابن عباس دوری ابن معین سے روایت کرتے ہیں کہ یہ راوی (عطا بن عجلان) ثقہ نہیں ہے اور ایک موقع پر فرمایا کہ ''یہ کذاب ہے۔'' اور ایک دوسری جگہ پر فرمایا کہ ''یہ کچھ بھی نہیں۔ اِس کے لیے سامنے احادیث گھڑی جاتیں تھیں تو یہ اُن کو بیان کر دیتا۔''

⑫ اُسید بن زید نے زہیر بن معاویہ سے بیان کیا ہے کہ

''میں نے عطا بن عجلان اور ایک دوسرے آدمی جن کا اُنہوں نے ذکر کیا، کے علاوہ کسی کو متہم قرار نہیں دیا۔ وہ کہتے ہیں میں نے اِس کا حفص بن غیاث سے ذکر کیا تو انہوں نے اِس بات کی تصدیق کی۔''

⑬ وقال عمرو بن علي: كان كذابا

---

۱ الکامل لابن عدی: ۲۰۰۳/۵

۲ الکاشف: ۲۶۱/۲

”اور عمرو بن علی نے کہا کہ یہ (عطا بن عجلان) کذاب تھا۔“

⑭ امام ابوزرعہ کہتے ہیں: ”یہ ضعیف (راوی) ہے۔“

⑮ امام ابو حاتم فرماتے ہیں: ”یہ (انتہائی) ضعیف الحدیث اور انتہائی منکر الحدیث ہے۔“

⑯ امام ابوداؤد فرماتے: ليس بشيء ”یہ کچھ بھی (حیثیت والا) نہیں ہے۔“

⑰ امام نسائی فرماتے ہیں: ليس بثقة ولا يكتب بحديثه

”یہ ثقہ نہیں ہے اور اِس کی بیان کردہ حدیث کو لکھا (بھی) نہیں جائے گا۔“

⑱ امام ترمذی فرماتے ہیں: ”یہ ضعیف اور ذاهب الحديث ہے۔“

⑲ امام جوزانی فرماتے ہیں: ”یہ کذاب ہے۔“

⑳ علی بن الجنید فرماتے ہیں: ”یہ راوی متروک ہے۔“

㉑ امام ازدی اور امام دارقطنی نے بھی ایسے ہی کہا ہے۔

㉒ ابن شاہین نے اِس کو ضعفا میں ذکر کیا ہے۔

㉓ ابن معین نے کہا کہ ليس بثقة ولا مأمون

”یہ عطاء بن عجلان نہ ثقہ ہے اور نہ ہی مأمون۔“

㉔ امام طبرانی فرماتے ہیں:

”یہ راوی روایت میں ضعیف ہے اور کئی چیزیں بیان کرنے میں متفرد ہے۔“

㉕ ساجی کہتے ہیں: ”یہ منکر الحديث ہے۔“

㉖ ابن حیان کہتے ہیں: كان يتلقن كلمة لقن ويجيب فيما يسئل حتى يروى الموضوعات عن الثقات[1]

”اِسے جو کلمہ تلقین کیا جاتا تو یہ تلقین قبول کر لیتا تھا۔ حتیٰ کہ یہ موضوع (من گھڑت) روایتیں بیان کرنے لگا۔“

خلاصۂ بحث

قارئین کرام! یہ تھی شداد بن اَوس رضی اللہ عنہ سے مروی اس روایت کی سند کی حقیقتِ حال

1 تہذیب التہذیب: ۷/۲۰۸، ۲۰۹

جس پر بزعم خویش نئی مذہبی سوچ کی بنیاد بڑے بلند دعوؤں کے ساتھ رکھی گئی تھی۔

- اِس روایت کی پہلی سند جو ابن ماجہ میں ہے، تین علتوں کی وجہ سے ضعیف ہے۔
- جبکہ دوسری سند جو مسند احمد[1]، حاکم، طبرانی، حلیۃ الاولیاء وغیرہ میں ہے۔ اِس میں عبد الواحد بن زید بصری منکر الحدیث اور متروک راوی ہے۔
- اور رہی تیسری سند حلیہ الاولیاء والی تو اِس کی حالت تو پہلی دونوں سے بھی زیادہ خراب ہے، اِس میں عطاء بن عجلان منکر الحدیث، متروک اور کذاب ہے۔

نہ تو یہ راوی اور سندیں کسی دوسرے کا متابع بن کر اُس کو قوت دے سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی دوسرا اِن کو کیونکہ متابعت کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ

أن لا يكون الضعف شديدًا، أن تعتضد بمتابعة أو شاهد مثله أو أقوى منه، أن لا تخالف رواية الأوثق أو الثقات[2]

"ضعف شدید نہ ہو، اس کو اس کے مثل یا اس سے زیادہ قوی متابعت یا شاہد کی تائید حاصل ہو، اور یہ کہ یہ اپنے سے زیادہ ثقہ یا ثقات کی روایت کے خلاف بھی نہ ہو۔"

لہٰذا نہ تو یہ روایت نبی ﷺ سے ثابت اور نہ ہی اس سے ان حضرات کا یہ دعویٰ ثابت ہوتا ہے کہ "اُمتِ مسلمہ میں شرک نہیں پایا جاسکتا اور کوئی مسلمان شرک نہیں کر سکتا۔"

اسی طرح مسند احمد، حلیۃ الاولیاء[3] اور ان سے سیر اعلام النبلاء[4] کے حوالے سے شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے ہی ایک اور روایت بیان کی جاتی ہے جس میں جزیرۃ العرب کی قید بھی ہے لیکن اس روایت کی سند بھی ضعیف ہے اور پھر اس میں لا يعبدون شمسًا ولا قمرًا ولا حجرًا ولا وثنًا کے زیر بحث الفاظ بھی نہیں ہیں، لہٰذا اس پر مزید بحث کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ خالص قرآن وسنت کے مطابق عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین!

نوٹ: بعض اقتباسات کے حوالے متن میں مذکور نہیں دراصل آخری حوالہ اس سے قبل کے حوالہ جات کو شامل ہے۔

1. مسند احمد: ۴/ ۱۲۴
2. ضوابط الجرح والتعدیل: ص ۱۳۰
3. مسند احمد: ۴/ ۱۲۶، حلیۃ الاولیاء: ۱/ ۲۶۹
4. سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۴۶۱، دوسرا نسخہ: ۳/ ۴۵۳

کامران طاہر

پانچ نمازوں اور جمعہ میں فرض و نفل رکعات کی تعداد

نمازِ پنجگانہ کی رکعات کی صحیح تعداد کے متعلق عام طور پر عامۃ الناس میں مختلف آرا پائی جاتی ہیں جیسے عشاء کی نماز کی ۱۷ رکعات وغیرہ اور پھر ان رکعات کے مؤکدہ اور غیر مؤکدہ نوافل کے تعین کا مسئلہ بھی زیر بحث رہتا ہے۔ ذیل میں افادۂ عام کے لیے نمازِ پنجگانہ کے مؤکدہ اور غیر مؤکدہ نوافل اور فرائض کی صحیح تعداد کو دلائل کے ساتھ پیش کر دیا گیا ہے۔

فرائض: جمعہ کے علاوہ ہر دن کی پانچ نمازوں کے فرائض کی تعداد کل ۱۷ ہے جو احادیثِ صحیحہ اور اُمت کے عملی تواتر سے ثابت ہیں۔

سنتِ مؤکدہ: اسی طرح نمازوں کے فرائض سے پہلے یا بعد کے نوافل جو آپ ﷺ کی عادت اور معمول تھا یا پھر آپ ﷺ سے ان کی تاکید و ترغیب بھی منقول ہے، ان کی تعداد کم از کم ۱۲ ہے۔ ان میں سے ۱۲ نوافل کے بارے میں سیدہ اُمّ حبیبہؓ فرماتی ہیں:

سمعت رسول الله ﷺ يقول: «من صلّىٰ اثنتى عشرة ركعة في يوم وليلة بُني له بهن بيت في الجنة»[1]

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ جو شخص دن اور رات میں ۱۲ رکعات پڑھ لے، اُن کی وجہ سے اس کے لئے جنت میں ایک محل بنا دیا جاتا ہے۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

«من صلى في يوم وليلة ثنتي عشرة ركعة بنى له بيت في الجنة أربعًا قبل الظهر وركعتين بعدها وركعتين بعد المغرب وركعتين بعد العشاء وركعتين قبل صلاة الغداة»[2]

---

۱ صحیح مسلم:۷۲۸

۲ سنن ترمذی:۴۱۵

''جس نے رات اور دن میں ۱۲ رکعت (نوافل) ادا کیے، جنت میں اس کے لئے گھر بنادیا جاتا ہے: چار رکعت قبل از ظہر، دو بعد میں، دو رکعت مغرب کے بعد، دو عشاء کے بعد اور دو صبح کی نماز کے بعد۔''

نمازِ فجر تعداد رکعات: ۴ (۲ نفل + ۲ فرض)

نوافل: اُمّ المومنین سیدہ حفصہؓ فرماتی ہیں:

كان إذا سكت المؤذن من الأذان لصلاة الصبح، وبدأ الصبح، ركع ركعتين خفيفتين قبل أن تقام الصلاة[1]

''جب مؤذن اذان کہہ لیتا اور صبح صادق شروع ہو جاتی تو آپ ﷺ جماعت کھڑی ہونے سے پہلے مختصر سی دو رکعتیں پڑھتے۔''

فرائض: سیدنا ابو برزہ اسلمیؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ صبح کی نماز پڑھاتے:

''وكان يقرأ في الركعتين وأحدهما ما بين الستين إلىٰ المائة''[2]

'' آپ ﷺ دو رکعتوں یا کسی ایک میں ۶۰ سے ۱۰۰ تک آیات تلاوت فرماتے تھے''

☜ آپ ﷺ سے فجر کے فرائض سے پہلے دو رکعت نماز پر مداومت یعنی ہمیشگی ثابت ہے جیسا کہ سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں:

إن النبيﷺ لم يكن على شيء من النوافل أشد معاهدة منه علىٰ ركعتين قبل الصبح[3]

''بیشک نبی ﷺ نوافل میں سے سب سے زیادہ اہتمام صبح کی سنتوں کا کرتے تھے۔''

ظہر: زیادہ سے زیادہ رکعات: ۱۲ (۲ یا ۴ نفل + ۴ فرض + ۲ یا ۴ نفل)

نوافل: ✵ سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں:

كان يصلي في بيت قبل الظهر أربعًا ثم يخرج فيصلي بالناس ثم يدخل فيصلي ركعتين[4]

---

۱ صحیح مسلم:۷۲۳
۲ صحیح بخاری:۷۷۱
۳ صحیح مسلم:۷۲۴
۴ صحیح مسلم:۷۳۰

”آپ ﷺ میرے گھر میں ظہر سے پہلے چار رکعات نوافل ادا کرتے اور لوگوں کو نماز پڑھانے کے بعد گھر واپس آکر دو رکعات پڑھتے تھے۔“

* سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

صلَّيت مع النبى سجدتين قبل الظهر والسجدتين بعد الظهر[1]

”میں نے نبی ﷺ کے ساتھ دو رکعت نوافل ظہر سے پہلے اور دو ظہر کی نماز کے بعد پڑھے۔“

* سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«من حافظ على أربع ركعات قبل الظهر وأربع بعدها حرم على النار»[2]

”جو شخص ظہر سے قبل اور بعد چار چار رکعات نوافل کا اہتمام کرے، وہ آگ پر حرام ہو جائے گا۔“

☜ مذکورہ بالا روایات سے ظہر کی سنتوں کے بارے میں پتہ چلا کہ وہ زیادہ سے زیادہ ۱۲ ہیں اور ان میں کم از کم ۴ رکعات نوافل مؤکدہ ہیں۔ جیسا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

إن النبي كان لا يدع أربعًا قبل الظهر وركعتين قبل الغداة[3]

”نبی ﷺ ظہر سے پہلے کی چار رکعات اور فجر سے پہلے کی دو رکعات کبھی نہ چھوڑتے۔“

فرائض: سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أن النبي كان يقرأ في الظهر في الأولين بأمّ الكتاب وسورتين وفي الركعتين الأخريين بأمّ الكتاب...الخ[4]

”بے شک نبی ﷺ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور ایک ایک سورت پڑھتے اور آخری دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھتے...الخ“

۱ صحیح بخاری:۱۱۷۲
۲ سنن ابو داود:۱۲۶۹
۳ صحیح بخاری:۱۱۸۲
۴ ایضًا:۷۷۶

عصر: تعداد رکعات: ۱۰ (۴ نفل + ۴ فرض + ۲ نفل)

نوافل: ٭ سیدنا علیؓ سے روایت ہے:

كان النبي يصلي قبل العصر أربع ركعات

''نبی ﷺ عصر سے پہلے چار رکعات نوافل ادا کرتے تھے۔''[1]

٭ ابن عمرؓ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

«رحم الله امرأ صلى قبل العصر أربعًا»[2]

''اللہ تعالیٰ اس پر رحمت فرمائیں جو عصر کی نماز سے قبل چار رکعات پڑھے۔''

٭ سیدنا ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں:

كنا نحزر قيام رسول الله في الظهر والعصر...وحزرنا قيامه في الركعتين الأولين من العصر على قدر قيامه من الأخريين من الظهر وفي الأخريين من العصر على النصف من ذلك[3]

''ہم رسول اللہ ﷺ کے ظہر اور عصر کے قیام کا اندازہ لگایا کرتے تھے... عصر کی نماز کی پہلی دو رکعتوں کے قیام کا اندازہ اس طرح کرتے کہ وہ ظہر کی آخری دو رکعتوں کے قیام کے برابر ہوتا اور آخری دو رکعتوں کا قیام عصر کی پہلی دو رکعتوں سے نصف ہوتا تھا۔''

٭ سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں:

ما ترك النبي ﷺ السجدتين بعد العصر عندي قط[4]

''آپ ﷺ نے میرے پاس کبھی بھی عصر کے بعد دو رکعت نوافل پڑھنا ترک نہیں کیے۔''

☜ عصر کی فرض نماز سے پہلے چار رکعت نوافل آپ ﷺ سے ثابت ہیں، کیونکہ اس پر آپ ﷺ کا دوام ثابت نہیں، اس لیے یہ نوافل مؤکدہ نہیں ہیں۔

---

۱ سنن ترمذی: ۴۲۹

۲ سنن ابوداؤد: ۱۲۷۱، سنن ترمذی ۴۳۰

۳ صحیح مسلم: ۴۵۲

۴ صحیح بخاری: ۵۹۱

سیدنا علیؓ فرماتے ہیں:

يصلي قبل الظهر أربعًا وبعدها ركعتين وقبل العصر أربعًا يفصل بين كل ركعتين بالتسليم[1]

"اور نبی کریم ﷺ نے ظہر سے پہلے چار رکعت نوافل ادا کئے اور دو بعد میں اسی طرح چار رکعت نوافل عصر کی نماز سے پہلے ادا کئے اور آپ ﷺ نے ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرا۔"

☜ یاد رہے کہ ظہر اور عصر کے پہلے چار چار نوافل کو دو دو رکعت کر کے پڑھنا سنت ہے جیسا کہ مذکورہ روایت سے ثابت ہوتا ہے۔

مغرب: تعداد رکعات: ۵ (۳ فرض + ۲ نفل)

فرائض: سیدنا عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے:

"جمع رسول الله ﷺ بين المغرب والعشاء بجمع، صلى المغرب ثلاثًا والعشاء ركعتين بإقامة واحدة"[2]

"رسول اللہ ﷺ نے (سفر میں) مغرب اور عشاء کو ایک ہی وقت میں جمع کیا۔ آپ نے مغرب کی تین رکعت اور عشاء کی دو رکعتیں ایک ہی اقامت سے پڑھائیں۔"

نوافل: سیدہ عائشہؓ نبی ﷺ کی فرض نمازوں سے پہلے اور بعد کے نوافل بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں: وكان يصلي بالناس المغرب ثم يدخل فيصلي ركعتين[3]

"آپ لوگوں کو مغرب کی نماز پڑھاتے پھر میرے گھر میں داخل ہوتے اور دو رکعت نماز نوافل ادا کرتے۔"

نوٹ: مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت نفل بھی آپ ﷺ سے ثابت ہیں۔ عبداللہ مزنیؓ سے روایت ہے کہ إن رسول الله صلى قبل المغرب ركعتين[4]

"رسول اللہ ﷺ نے مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت نفل ادا کیے۔"

---

۱ سنن ترمذی: ۵۹۸
۲ صحیح مسلم: ۱۲۸۸
۳ ایضًا: ۷۳۰
۴ ابن حبان: ۱۵۸۶، قیام اللیل للمروزی، ص ۶۴

لیکن یہ دو رکعت مؤکدہ نہیں ہیں۔ عبد اللہ مزنی سے ہی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«صلوا قبل صلاة المغرب» قال في الثالثة: «لمن شاء» كراهية أن يتخذها الناس سنة[1]

''مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت پڑھو تین دفعہ فرمایا اور تیسری مرتبہ فرمایا جو چاہے۔ تاکہ کہیں لوگ اسے مؤکدہ نہ سمجھ لیں۔''

عشاء: تعداد رکعات کم از کم ایک وتر: ۷ (۴ فرض + ۲ نفل + اوِتر)

فرائض: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ سے اہل کوفہ کی شکایت کے بارے میں پوچھا کہ آپ نماز اچھی طرح نہیں پڑھاتے تو آپ نے جواب دیا:

أما أنا والله فإني كنت أصلي بهم صلاة رسول الله ﷺ، ما أخرم عنها، أصلي صلاة العشاء فأركد في الأولیین، وأخف في الأخريين قال: ذلك الظن بك يا أبا إسحٰق[2]

''اللہ کی قسم! میں اُنہیں نبی ﷺ کی نماز کی طرح ہی نماز پڑھاتا تھا اور اس سے بالکل کوتاہی نہ کرتا تھا۔ میں عشاء کی نماز جب پڑھاتا تو پہلی دو رکعتوں کو لمبا کرتا اور آخری دو رکعتوں کو ہلکا کرتا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اے ابو اسحٰق! تمہارے بارے میں میرا یہی گمان تھا۔''

نوافل: عشاء کی فرض نماز کے بعد نبی ﷺ سے ۲ اور ۴ نوافل پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے

* سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں :

صليت مع النبي... وسجدتين بعد العشاء... الخ[3]

''میں نے نبی ﷺ کے ساتھ... عشاء کے بعد دو رکعات نماز پڑھی۔''

* سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں نے اپنی خالہ میمونہؓ کے گھر میں ایک رات گزاری: فصلى رسول الله

---

۱ صحیح بخاری: ۱۱۸۳
۲ صحیح بخاری: ۷۵۵
۳ ایضًا: ۱۱۷۲

ﷺ العشاء ثم جاء فصلى أربع ركعات ثم نام[1]

''آپ ﷺ نے عشا کی نماز پڑھائی، پھر گھر آئے اور چار نوافل ادا کیئے اور سو گئے''

☜ نبی ﷺ کے عام حکم «بين كل أذانين صلاة، بين كل أذانين صلاة»ثم قال في الثالثة «لمن شاء»[2]

''آپ ﷺ نے فرمایا: ہر دو اذانوں (اذان اور اقامت) کے درمیان نماز ہے، ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے۔ تیسری دفعہ آپ ﷺ نے فرمایا جو چاہے۔''

سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر فرض نماز سے پہلے دو رکعت نماز کی ترغیب ہے۔ لہٰذا اس مشروعیت کے مطابق عشاء کی نماز سے پہلے دو رکعت نوافل ادا کیئے جاسکتے ہیں۔

☜ وتر کے بعد دو سنتیں پڑھنا آپ ﷺ سے ثابت ہے جیسا کہ اُمّ سلمہ سے روایت ہے:

أن النبي كان يصلي بعد الوتر ركعتين[3]

''آپ ﷺ وتر کے بعد دو رکعت نوافل ادا کرتے تھے۔''

وِتر

آپ ﷺ کی قولی و فعلی احادیث سے ایک، تین، پانچ، سات اور نو رکعت وتر ثابت ہیں۔

✵ سیدنا ایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«الوتر حق على كل مسلم، فمن أحب أن يوتر بخمس فليفعل، ومن حب أن يوتر بثلاث فليفعل، ومن أحب أن يوتر بواحدة فليفعل»[4]

''وتر ہر مسلمان پر حق ہے۔ چنانچہ جو پانچ وتر ادا کرنا پسند کرے وہ پانچ پڑھ لے اور جو تین وتر پڑھنا پسند کرے وہ تین پڑھ لے اور جو ایک رکعت وتر پڑھنا پسند کرے تو وہ ایک پڑھ لے۔''

---

۱ ایضًا:۷/۶۹

۲ ایضًا:۷/۶۲

۳ سنن ترمذی:۱/۴۷

۴ سنن ابو داود:۱۴۲۲

* سیدہ اُمّ سلمہؓ فرماتی ہیں: كان رسول الله يوتر بسبع أو بخمس... الخ[1]
''رسول اللہ ﷺ سات یا پانچ وتر پڑھا کرتے تھے۔''

وِتر پڑھنے کا طریقہ

① تین وتر پڑھنے کے لئے دو نفل پڑھ کر سلام پھیرا جائے اور پھر ایک وتر الگ پڑھ لیا جائے۔ سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے:

كان يوتر بركعة وكان يتكلم بين الركعتين والركعة

''آپؐ ایک رکعت وتر پڑھتے جبکہ دو رکعت اور ایک کے درمیان کلام کرتے۔''

مزید سیدنا ابن عمرؓ کے متعلق ہے کہ

صلىٰ ركعتين ثم سلم ثم قال: أدخلوا إليّ ناقتي فلانة ثم قام فأوتر بركعة[2]

''اُنہوں نے دو رکعتیں پڑھیں پھر سلام پھیر دیا۔ پھر کہا کہ فلاں کی اونٹنی کو میرے پاس لے آؤ پھر کھڑے ہوئے اور ایک رکعت وتر ادا کیا۔''

② پانچ وتر کا طریقہ یہ ہے کہ صرف آخری رکعت میں بیٹھ کر سلام پھیرا جائے۔ سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں: كان رسول الله ﷺ يصلي من الليل ثلاث عشرة ركعة، يوتر من ذلك بخمس، لا يجلس فى شيء إلا في آخرها[3]

''رسول اللہ رات کو تیرہ رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ ان میں سے پانچ وتر ادا کرتے اور ان میں آخری رکعت ہی پر بیٹھتے تھے۔''

③ سات وتر کے لئے ساتویں پر سلام پھیرنا:

سیدہ عائشہؓ سے ہی مروی ہے کہ سیدہ اُمّ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ

كان رسول الله ﷺ يوتر بسبع وبخمس لا يفصل بينهن بتسليم ولا كلام[4]

1 سنن ابن ماجہ:۱۱۹۲
2 مصنف ابن ابی شیبہ:۶۸۰۶
3 صحیح مسلم:۷۳۷
4 سنن ابن ماجہ:۱۱۹۲

”نبی ﷺ سات یا پانچ وتر پڑھتے ان میں سلام اور کلام کے ساتھ فاصلہ نہ کرتے۔“

④ نو وتر کے لئے آٹھویں رکعت میں تشہد بیٹھا جائے اور نویں رکعت پر سلام پھیرا جائے۔
سیدہ عائشہؓ نبی ﷺ کے وتر کے بارے میں فرماتی ہیں: ويصلي تسع ركعات لا يجلس فيها إلا في الثامنة ... ثم يقوم فيصلي التاسعة[1]
”آپ ﷺ نو رکعت پڑھتے اور آٹھویں رکعت پر تشہد بیٹھتے ...پھر کھڑے ہو کر نویں رکعت پڑھتے اور سلام پھیرتے۔“

قنوتِ وتر: آخری رکعت میں رکوع سے پہلے دعائے قنوت پڑھنا راجح ہے۔[2]
سیدنا اُبی بن کعبؓ سے روایت ہے:
أن رسول الله كان يوتر فيقنت قبل الركوع[3]
”بے شک رسول اللہ ﷺ وتر پڑھتے تو رکوع سے پہلے قنوت کرتے تھے۔“

وتر کی دعا

«اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ فِيْمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِيْ فِيْمَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنِيْ فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَا أَعْطَيْتَ وَقِنِيْ شَرَّ مَا قَضَيْتَ فَإِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ إِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ وَلَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ»

”اے اللہ! مجھے ہدایت دے ان لوگوں کے ساتھ جنہیں تو نے ہدایت دی، مجھے عافیت دے ان لوگوں کے ساتھ جنہیں تو نے عافیت دی، مجھ کو دوست بنا ان لوگوں کے ساتھ جنہیں تو نے دوست بنایا۔ جو کچھ تو نے مجھے دیا ہے اس میں برکت عطا فرما اور مجھے اس چیز کے شر سے بچا جو تو نے مقدر کر دی ہے، اس لئے کہ تو حکم کرتا ہے، تجھ پر کوئی حکم نہیں چلا سکتا۔ جس کو تو دوست رکھے وہ ذلیل نہیں ہو سکتا اور جس سے تو دشمنی رکھے وہ عزت نہیں پا سکتا۔ اے ہمارے ربّ! تو برکت والا

1 صحیح مسلم: ۷۴۶
2 رکوع کے بعد قنوتِ وتر سے متعلقہ حدیث جو کہ السنن الکبری للبیہقی: ۳/ ۳۸، ۳۹ اور مستدرک حاکم: ۳/ ۱۷۲ میں ہے، اس کی سند پر محدثین نے کلام کیا ہے۔ البتہ قنوتِ نازلہ پر قیاس کرتے ہوئے رکوع کے بعد بھی قنوتِ وتر پڑھنا جائز ہے جیسا کہ قنوتِ وتر میں قنوتِ نازلہ پر قیاس کرتے ہوئے دعا کے لیے ہاتھ اُٹھانا جائز ہے۔
3 سنن ابن ماجہ: ۱۱۸۲

ہے، بلند و بالا ہے۔"[1]

نمازِ جمعہ کی رکعات

نوافل: نمازِ جمعہ سے پہلے دو رکعت نوافل ادا کیے جاتے ہیں، جیسا کہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

«إذا جاء أحدكم يوم الجمعة والإمام يخطب فليركع ركعتين»[2]

"جب تم میں کوئی جمعہ کے دن آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ دو رکعتیں ادا کرے"

یہ جمعہ کے کوئی مخصوص نوافل نہیں ہیں بلکہ آپ ﷺ کے دوسرے عام حکم:

«إذا دخل أحدكم في المسجد لا يجلس حتى يصلي ركعتين»[3]

"جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو دو رکعت نماز پڑھے بغیر نہ بیٹھے۔"

کے مطابق یہ تحیۃ المسجد کے نوافل ہیں۔

نوٹ: جمعہ کے فرائض سے پہلے نوافل کی تعداد محدود نہیں ہے۔ اِستطاعت کے مطابق جتنے کوئی پڑھ سکے، پڑھ سکتا ہے، جس کی دلیل آپ ﷺ کا فرمان: «من اغتسل ثم أتىٰ الجمعة فصلى ما قدر له»[4] "جو شخص غسل کرے پھر وہ جمعہ کے لیے آئے تو جتنی اس کے مقدر میں نماز ہو ادا کرے..." ہے۔ اس سے ثابت ہوا جمعہ سے پہلے نوافل کی مقدار متعین نہیں جتنی توفیق ہو پڑھ سکتا ہے۔

اسی طرح جمعہ کے بعد آپ ﷺ سے زیادہ سے زیادہ ۶ رکعات نوافل ثابت ہیں۔ جس سے متعلق اَحادیث درج ذیل ہیں:

① ابن عمر کے بارے میں وارد ہے کہ

إذا كان بمكة فصلى الجمعة تقدم فصلى ركعتين، ثم تقدم فصلى أربعًا، وإذا كان بالمدينة صلى الجمعة، ثم رجع إلىٰ بيته فصلى الركعتين، ولم يصلي في المسجد فقيل له فقال: كان رسول الله ﷺ

---

۱ سنن ترمذی: ۴۶۴، بیہقی: ۲۰۹۲
۲ سنن ابو داؤد: ۹۸۸
۳ صحیح بخاری: ۱۱۶۳
۴ صحیح مسلم: ۸۵۷

يفعل ذلك[1]

”جب وہ مکہ میں ہوتے تو جمعہ پڑھ کی دو رکعت ادا کرتے۔ پھر چار رکعات ادا کرتے اور جب مدینہ میں ہوتے تو جمعہ پڑھتے اور گھر جا کر دو رکعت پڑھتے، مسجد میں کچھ نہ پڑھتے۔ اُن سے پوچھا گیا تو فرمایا: رسول اللہ ﷺ اسی طرح کیا کرتے تھے۔“

② آپ ﷺ نے فرمایا:

«إذا صلى أحدكم الجمعة فليصل بعدها أربع ركعات»

”جب تم میں سے کوئی نمازِ جمعہ ادا کرے تو اس کے بعد چار رکعات اَدا کرے۔“

دوسری حدیث کے تحت سہیل کہتے ہیں کہ

”اگر جلدی ہو تو دو رکعت مسجد میں اور دو گھر میں پڑھ لے۔“[2]

③ عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں:

كان رسول الله كان يصلى بعد الجمعة ركعتين في بيته[3]

”بے شک رسول ﷺ جمعہ کے بعد اپنے گھر میں دو رکعت نماز ادا کرتے تھے۔“

نوٹ: مندرجہ بالا احادیث سے جمعہ کے بعد کے نوافل کی درج ذیل صورتیں سامنے آئیں:

① ۶ رکعات نوافل مسجد میں ادا کر لیے جائیں۔

② ۴ رکعت میں مسجد میں ادا کر لیے جائیں۔

③ دو رکعت مسجد میں اور دو رکعت گھر میں پڑھ لی جائیں۔

④ دو رکعت گھر میں ادا کرلی جائیں اور مسجد میں کچھ نہ پڑھا جائے۔

فرائض: جمعہ کے فرائض دو رکعت ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«من أدرك من الجمعة ركعة فليصلي إليها أخرى»[4]

”جو شخص جمعہ سے ایک رکعت پالے تو اسکے ساتھ دوسری آخری رکعت ملالے۔“

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نمازِ جمعہ کے فرائض صرف دو رکعات ہیں۔ جو اس دن ظہر کی نماز کے متبادل ہو جائیں گے اور ظہر کی نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

---

۱ سنن ابوداؤد: ۱۱۳۰

۲ صحیح مسلم: ۸۸۱

۳ سنن نسائی: ۱۴۲۹

۴ سنن ابن ماجہ: ۱۱۲۱

ہانی بن عبد اللہ بن محمد جبیر
ترجمہ: عمران اسلم[1]

مجبوری کی حالت میں دی گئی طلاق کا حکم

انسانوں کی اصلاح سے خالق حقیقی جل جلالہ سے بڑھ کر اور کون آگاہ ہو سکتا ہے، جس نے اُنہیں پیدا کیا ہے اور کوئی ذات بھی ایسی نہیں ہے جو انسانی حالات و وقائع سے اس سے زیادہ باخبر ہو۔ اِرشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴾[2]

''کیا وہی نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے، حالانکہ وہ باریک بین اور خبردار ہے۔''

وہ بابرکت ذات جس نے نفس انسانی کو بنایا اور اس کی نیکی و بُرائی اور اس کے ابہام کو جانتی ہے کہ انسان کس طرح مائل بہ نیکی ہو سکتا ہے اور کیسے تقویٰ کے راستوں پر گامزن ہو سکتا ہے، اگرچہ اس دور میں نام نہاد تجدد اور آزادی کے دعویدار انسان کی فلاح کے لاکھ دعوے کریں۔ فرمان عالی شان ہے:

﴿ وَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۫ وَ يُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴾[3]

''اور اللہ تو تم پر رحمت کے ساتھ توجہ کرنا چاہتا ہے مگر جو لوگ خود اپنی خواہشاتِ نفس کی پیروی کر رہے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم راہِ راست سے ہٹ کر دور نکل جاؤ۔''

مذہبِ اسلام میں حیاتِ دنیوی کے حوالے سے منفرد اور بے مثال ہدایات موجود ہیں۔ سعادت و کامرانی کا یہ واحد مذہب ہے جس میں بنی نوعِ انسان کی جمیع مشکلات و مصائب کا حل موجود ہے۔ ذیل میں ہم انسانی زندگی کے دو اہم مسائل ''مجبوری اور غصے کی حالت میں دی گئی طلاق اور اسکے وقوع یا عدمِ وقوع'' کے بارے فقہاے اسلام کی آرا پیش کر رہے ہیں

۱ سکالر مجلس التحقیق الاسلامی، ماڈل ٹاؤن، لاہور ..... نظر ثانی: شیخ مولانا محمد رمضان سلفی حفظہ اللہ
۲ الملک:۱۴
۳ النساء:۲۷

جس سے اسلام کے انسانیت کی فلاح وسعادت کے دعوے کی بھرپور تصدیق وتائید ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں فقہا کے اَقوال واَدلہ پیش کرنے کے بعد راجح موقف کو آخر میں درج کیا جائے گا۔

'طلاق' کی لغوی تعریف

یہ مصدر ہے: طلقت المرأة وطلقت تطلق طلاقا فهي طالق سے یعنی چھوڑنا، ترک کرنا اور الگ کر دینا۔ کہا جاتا ہے: طلق البلاد یعنی اس نے شہر چھوڑ دیا، اور أطلق الأسیر یعنی قیدی کو رہا کر دیا۔ اسی طرح یہ چند دیگر معانی پر بھی دلالت کرتا ہے:

- اس کا اطلاق پاک، صاف اور حلال پر بھی ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے: هو لك طلق یعنی وہ تیرے لیے حلال ہے۔
- اسی طرح بُعد اور دوری پر بھی بولا جاتا ہے، کہا جاتا ہے: طلق فلان "فلاں شخص دور ہوا"
- اسے خروج اور نکلنے کے معنوں میں بھی استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ أنت طلق من هذا الأمر [1] "یعنی تو اس معاملے سے خارج ہے۔"

مذکورہ معانی پر گہری نظر ڈالتے ہیں تو مقصود لفظ 'طلاق' اور ان میں ہم یک گونہ ربط پاتے ہیں۔ جب شوہر بیوی کو طلاق دیتا ہے تو اسکو چھوڑ رہا ہوتا ہے اور کسی دوسرے کے لیے اسے حلال کر رہا ہوتا ہے۔ اس سے دوری اختیار کر رہا ہوتا ہے تو اس عقد سے بھی نکل رہا ہوتا ہے جو ان دونوں کو جمع کیے ہوئے تھا، چنانچہ لفظ طلاق میں یہ تمام معانی جمع ہو جاتے ہیں۔ [2]

طلاق کی شرعی تعریف

طلاق کی شرعی تعریف کے سلسلہ میں فقہائے کرام کی طرف سے متعدد عبارات دیکھنے میں آئی ہیں۔ ان میں سے جامع ومانع تعریف اس طرح ہوگی:

> حل قيد النكاح (وبعضه) في الحال أو المآل بلفظ مخصوص [3]
> "حال یا مستقبل میں کسی مخصوص لفظ کے ساتھ نکاح کی گرہ کھولنا۔"

یہ تعریف الدر المختار کی ہے جس پر اہل علم کا اتفاق موجود ہے۔ میں نے اس میں

---

۱ اللسان: ۴/ ۲۶۹۶، مجمل اللغہ: ۳/ ۳۳۰

۲ حافظ ابن حجر فی فتح الباری: ۹/ ۲۵۸

۳ الدر المختار: ۲/ ۴۱۴

(و بعضه) کا اضافہ اس لیے کیا ہے کہ اس میں طلاقِ رجعی بھی داخل ہو جائے۔[1]

طلاق کی مشروعیت پر دلائل

① طلاق کی مشروعیت پر کتاب وسنت اور اجماع سے بھی واضح دلائل موجود ہیں جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے:

﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ﴾[2]

”طلاق دو بار ہے، پھر یا تو سیدھی طرح عورت کو روک لیا جائے یا بھلے طریقے سے اس کو رخصت کر دیا جائے۔“

② ایک جگہ ارشاد ہے: ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ ﴾[3]

”اے نبی ﷺ! جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو تو اُنہیں اُنکی عدت میں طلاق دیا کرو“

③ اِرشادِ نبوی ﷺ ہے: «إنما الطّلاق لمن أخذ بالساق»[4]

”طلاق کا اختیار اسی کو ہے جو پنڈلی تھامتا ہے۔“

اسی طرح آپ ﷺ نے حضرت حفصہؓ کو طلاق دی اور پھر ان سے رجوع کیا۔[5]

طلاق کی مشروعیت پر بیسیوں احادیث و آثار موجود ہیں۔[6]

④ جہاں تک اجماع کا تعلق ہے تو صدرِ اوّل سے لے کر موجودہ زمانہ تک طلاق کے جواز پر اجماع چلا آرہا ہے اور کسی ایک نے بھی اس کا انکار نہیں کیا۔[7]

مجبوری (اِکراہ) کی طلاق

الإکراہ لغوی طور پر یہ أكْرَهَ يُكْرِهُ سے مصدر ہے۔ یعنی کسی کو ایسے کام کے کرنے یا چھوڑنے پر مجبور کیا جائے جس کو وہ ناپسند کرتا ہو۔ اصلاً یہ کلمہ رضا اور پسند کی مخالفت پر

---

1 الروض المربع لابن قاسم: ۶/۴۸۲
2 البقرۃ: ۲۲۹
3 الطلاق: ۱
4 سنن ابن ماجہ: ۲۰۸۱
5 سنن نسائی: ۳۵۶۰، سنن ابوداؤد: ۲۲۸۳
6 نیل الاوطار: ۶/۲۴۷، جمع الفوائد: ۱/۶۷۱
7 المغنی لابن قدامہ: ۱۰/۳۲۳

دلالت کرتا ہے۔امام فرا کہتے ہیں:

يقال أقامني على كره ــ بالفتح ــ إذا أكرهك عليه إلىٰ أن قال: فيصير الكره بالفتح فعل المضطر[1]

”کہا جاتا ہے مجھے مجبور کیا گیا۔ یعنی جب یہ فتحہ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد مجبور شخص کا فعل ہو گا۔“

اکراہ کی اصطلاحی تعریف: ”انسان کا ایسا کام کرنا یا کوئی ایسا کام چھوڑنا جس کے لیے وہ راضی نہ ہو۔ اگر اسے مجبور کیے بغیر آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہ ایسا نہ کرے۔“

کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اکراہ سے مراد آدمی کا کوئی ایسا کام کرنا ہے جو وہ کسی دوسرے کے لیے انجام دیتا ہے۔[2]

مختلف اعتبار سے اِکراہ کی متعدد اقسام ہیں۔ اِکراہ اقوال میں بھی ہو سکتا ہے اور افعال میں بھی۔ جہاں تک افعال کا تعلق ہے تو اس کی بھی دو اقسام ہیں: مجبور اور غیر مجبور۔

اَقوال میں اکراہ

علمائے کرام نے اقوال میں جبر کی صحت کو تسلیم کیا اور اس پر اتفاق کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جو شخص حرام قول پر مجبور کیا جائے، اُس پر جبر معتبر مانا جائے گا۔ اسے وہ حرام بات کہہ کر اپنے آپ کو چھڑانا جائز ہے اور اس پر کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں ہو گا۔ زبردستی کا تصور تمام اقوال میں پایا جاتا ہے، لہٰذا جب کوئی شخص کسی بات کے کہنے پر مجبور کر دیا جائے تو اس پر کوئی حکم مرتب نہیں ہو گا اور وہ لغو جائے گا۔

اس سلسلے میں احناف نے فسخ اور عدم فسخ کے مابین تفریق کو ملحوظ رکھا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر اکراہ خرید و فروخت اور اُجرت دینے میں ہو پھر تو وہ فسخ ہو جائے گا، لیکن طلاق، عتاق (آزادی) اور نکاح میں فسخ کا احتمال باقی نہیں رہے گا۔ لہٰذا جو شخص بیع و تجارت کے لیے مجبور کیے جانے کے بعد بیع کرلے تو اس کو اختیار ہے، چاہے تو اس بیع کو باقی رکھے یا پھر فسخ

---

١ اللسان:۵/۳۸۶۵

٢ معجم لغة الفقهاء:ص۸۵

کر دے، لیکن طلاق، آزادی اور نکاح میں میں اختیار باقی نہیں رہے گا۔[1]

تاہم اس ضمن میں اگر ادلہ شرعیہ کا جائزہ لیا جائے تو عدم تفریق کا قول زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ فرمانِ عالی شان ہے: ﴿ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ ﴾[2]

''مگر یہ کہ وہ مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔''

امام شافعی اس کے متعلق فرماتے ہیں:

إن الله سبحانه وتعالىٰ لما وضع الكفر عمن تلفظ به حال الكراه أسقط عنه أحكام الكفر، كذٰلك سقط عن المكره ما دون الكفر لإن الأعظم إذا سقط سقط ما هو دونه من باب أولىٰ[3]

'' جس طرح اللہ تعالیٰ نے حالتِ اکراہ میں کلمۂ کفر کہنے میں رخصت عنایت کی ہے اور اس سے کفریہ احکام ساقط کیے ہیں، بالکل اسی طرح کفر کے علاوہ دیگر چیزیں بھی مجبور سے ساقط ہو جائیں گی، کیونکہ جب بڑا گناہ ساقط ہو گیا تو چھوٹے گناہ تو بالاولیٰ ساقط ہو جائیں گے۔''

سیدنا عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إن الله وضع عن أمتي الخطأ والنسيان وما استكرهوا عليه»[4]

''اللہ تعالیٰ نے میری اُمت سے خطا و نسیان اور مجبوری سے کیے جانے والے کام معاف کر دیئے ہیں۔''

ابن قیم الجوزیہ کہتے ہیں: ''مکرہ کی کسی کلام کا کوئی اعتبار نہیں ہے، قرآنِ کریم بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ جو شخص کلمۂ کفر کہنے پر مجبور کیا جائے، وہ کافر نہیں ہو گا اور اسی طرح جو اسلام کے لیے مجبور کیا جائے، اسے مسلمان بھی تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ سنت میں بھی واضح اشارہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجبور شخص سے تجاوز کیا ہے اور اس کو مؤاخذے سے بری قرار دیا ہے...... اس کے بعد امام ابن قیم اقوال اور افعال میں اکراہ کے مابین فرق بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

---

۱ العناية والكفاية:۱۶۶/۸

۲ النحل:۱۰۶

۳ الام:۲۷۰/۳

۴ سنن ابن ماجہ:۲۰۴۵

''اَقوال میں اکراہ اور افعال میں اکراہ کے مابین فرق یہ ہے کہ افعال کے وقوع پذیر ہو جانے کے بعد اس کے مفاسد کا خاتمہ ناممکن ہے۔ جبکہ اقوال کے مفاسد کو سوئے ہوئے اور مجنون پر قیاس کرتے ہوئے دور کیا جاسکتا ہے۔''[1]

یہاں یہ بھی یاد رہے کہ اکراہ (جبر) کی ایک تقسیم درست اور غیر درست کے اعتبار سے بھی کی گئی ہے۔ غیر درست اکراہ تو وہ ہے کہ جس میں ظلم و زیادتی سے کوئی بات منوائی گئی ہو۔ جبکہ درست اِکراہ یہ ہے کہ جس میں حاکم کسی شخص کو اپنا مال بیچنے پر مجبور کرے تاکہ وہ اس سے اپنا قرض ادا کرے۔[2] یا وہ ایلاء کرنے والے کو طلاق دینے پر مجبور کرے جب کہ وہ رجوع کرنے سے انکار کرے۔

اکراہ کی شرائط

اہل علم نے اکراہ کی درج ذیل شرائط کا تذکرہ کیا ہے:

① اکراہ اس شخص کی طرف سے ہو گا جو صاحب قدرت ہو جیسے حکمران۔

② مجبور کو ظن غالب ہو کہ اگر میں نے اس کی بات نہ مانی تو یہ وعید اور اپنی دھمکی کو نافذ کر دے گا اور مجبور اس سے بچنے یا بھاگنے سے عاجز ہو۔

③ اکراہ ایسی چیز سے ہو جس سے مجبور کو نقصان پہنچنے کا ڈر ہو۔[3]

ان شروط پر مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے اتفاق کا اظہار کیا ہے۔ البتہ ان میں سے کچھ لوگوں نے چند دیگر شرائط کا اضافہ بھی کیا ہے۔ ظاہر بات یہ ہے کہ اکراہ کی تحدید حاکم اور مفتی کے ساتھ خاص کی جائے گی اور انہی کے ثابت کردہ اکراہ کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ لوگوں کے احوال کے ساتھ بدلتا رہتا ہے۔[4]

اکراہ کی صورت میں وقوعِ طلاق

اس تحریر میں مجبوری کی طلاق کو موضوعِ بحث بنانے کا مقصد اس قضیے کا حل ہے کہ ایسی

---

۱ زاد المعاد: ۵/ ۲۰۶، ۲۰۵

۲ جامع العلوم والحکم: ص ۳۷۷

۳ شرح الکبیر: ۲/ ۳۶۷

۴ الکفایۃ: ۸/ ۱۶۸

طلاق وقوع پذیر ہوتی ہے یا نہیں؟

امام مالک، شافعی، احمد اور داؤد ظاہری رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک ایسی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ یہی قول عمر بن خطاب، علی بن ابی طالب، ابن عمر، ابن زبیر، ابن عباس رضی اللہ عنہم اور دیگر کثیر جماعت کا ہے۔ جبکہ امام ابوحنیفہ اور ان کے صاحبین نے اس طلاق کے وقوع کا موقف اختیار کیا ہے اور یہی موقف شعبی، نخعی اور ثوری رحمۃ اللہ علیہم کا بھی ہے۔[1]

سببِ اختلاف یہ ہے کہ مجبور کیا جانے والا مختار ہے یا نہیں؟ کیونکہ طلاق کے الفاظ بولنے والے کا ارادہ تو طلاق دینے کا نہیں ہوتا اور وہ تو اپنے تئیں دو برائیوں میں سے کم تر برائی کو اختیار کر رہا ہوتا ہے اور وہ مجبور کرنے والے کی وعید سے بچنے کے لیے طلاق دینے کو اختیار کرلیتا ہے۔

اَحناف اور ان کے مؤیدین کے دلائل

① نصب الراية میں ہے کہ ایک آدمی سو رہا تھا کہ اس کی بیوی نے چھری پکڑ کر اس کے گلے پر رکھی اور دھمکی دی کہ تو مجھے طلاق دے، ورنہ میں تیرا کام تمام کر دوں گی۔ اس شخص نے اسے اللہ کا واسطہ دیا لیکن وہ نہ مانی۔ لہٰذا اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ پھر وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور تمام ماجرا بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لاقيلولة في الطلاق»[2] ''طلاق میں کوئی فسخ نہیں ہے۔''

② ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«ثلاث جدهن جد، وهزلهن جد: النكاح والطلاق والرجعة»[3]

''تین چیزوں کی سنجیدگی بھی سنجیدگی ہے اور مذاق بھی سنجیدگی ہے۔ نکاح، طلاق اور رجوع۔''

اَحناف اس حدیث سے اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ مذاق کرنے والے کا مقصد تو وقوعِ طلاق نہیں ہوتا بلکہ اس نے فقط لفظ کا ارادہ کیا ہوتا ہے۔ اس کی طلاق کا واقع ہونا واضح

---

۱ الكفاية والعناية:۳/۳۴۴

۲ نصب الراية:۳/۲۲۲

۳ سنن ترمذی:۱۱۸۴

کرتا ہے کہ مجرد لفظ کا بھی اعتبار کیا جائے گا۔ اس طرح مجبور کو بھی مذاق کرنے والے پر قیاس کیا جائے گا، کیونکہ دونوں کا مقصود لفظ ہوتا ہے، معنیٰ مراد نہیں ہوتا۔[1]

③ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

أربع مبهمات مقفولات ليس فيهن رد: النكاح والطلاق، والعتاق والصدقة[2]

''چار مبہم چیزیں بند کی ہوئی ان میں واپسی نہیں ہو سکتی: نکاح، طلاق، آزادی اور صدقہ''

④ ایک حدیث حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والدِ گرامی سے متعلق ہے جب ان دونوں سے مشرکین نے نہ لڑنے کا حلف لیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«نفی لهم بعهدهم ونستعين الله عليهم»[3]

''ہم ان سے معاہدہ پورا کریں گے اور اللہ سے ان کے خلاف مدد مانگیں گے۔''

اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ قسم حالت اکراہ اور غیر اکراہ میں برابر ہے۔ لہٰذا مجرد لفظ کے ساتھ کسی حکم کی نفی کے لیے اکراہ کو معتبر نہیں مانا جائے گا۔ جیسا کہ طلاق۔[4]

⑤ اُن کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہ مکلّف کی طرف سے ایسے محل میں طلاق ہے جس کا وہ مالک ہے لہٰذا اس پر غیر مجبور کی طلاق کے احکام مرتب ہوں گے۔[5]

دلائل کا جائزہ

① سب سے پہلے نقل کی جانے والی حدیث: لا قيلولة في الطلاق ضعیف ہے۔ امام ابن حزم اس کے متعلق فرماتے ہیں: ''هٰذا خبر في غاية السقوط''[6] لہٰذا اس

---

۱ فتح القدیر: ۳/ ۳۴۴

۲ ایضاً

۳ صحیح مسلم: ۱۷۸۷

۴ فتح القدیر: ۳/ ۳۴۴

۵ الهداية: ۳/ ۳۴۴

۶ المحلیٰ: ۱۰/ ۳۰۴

سے استدلال بھی ساقط ہوا۔

④ اور جو «ثلاث جدهن جد...» سے استدلال کرتے ہوئے مکرہ کو مذاق کرنے والے پر قیاس کیا گیا ہے تو یہ قیاس درست نہیں ہے۔[1] کیونکہ مجبور شخص نہ تو لفظ کا ارادہ کرتا ہے اور نہ اس کے سبب کا وہ تو لفظ کے بولنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے، اگرچہ قصد پر مجبور نہیں ہوتا جب کہ مذاق کرنے والا تو لفظ طلاق اپنے اختیار سے بولتا ہے اگرچہ اس کے سبب کا قصد نہیں کرتا۔ لہٰذا جو شخص اپنے اختیار سے سبب کو اختیار کرے اس پر تو مسبب لازم ہو جائے گا، جیسے مذاق کرنے والا ہے، لیکن مجبور نہ تو لفظ کا ارادہ کرتا ہے نہ اس کے سبب کا تو اسے مذاق کرنے والے پر کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے؟

③ ذکر کردہ حضرت عمرؓ کا قول ہمیں نہیں ملا۔ اگر ہم اس کی صحت کا اعتبار کر بھی لیں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جب طلاق واقع ہو جائے گی تو پھر دوبارہ لوٹنا ممکن نہیں رہے گا جبکہ مکرہ کی طلاق تو واقع ہی نہیں ہوئی۔ وہ تو مجبوری کی بنا پر صرف اور صرف لفظ بول رہا ہے۔ تاکہ وہ مجبور کرنے والے سے بچ سکے جب کہ حضرت عمر کے متعلق صحیح روایت سے ثابت ہے کہ اُنہوں نے مکرہ کی طلاق کو لغو قرار دیا۔[2]

④ اور جو حضرت حذیفہ اور ان کے والد کا واقعہ سامنے رکھتے ہوئے طلاق کو قسم پر قیاس کیا گیا ہے اور ان دونوں کو مجرد لفظ کے ساتھ متعلق کیا گیا ہے۔

تو اس کا جواب بھی یہ ہے کہ یہ قیاس درست نہیں ہے، کیونکہ طلاق میں صرف لفظ کا اعتبار نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے لیے متکلم کا ارادہ اور اس کے مدلولات کا علم ضروری ہے، کیونکہ شارع نے سوئے ہوئے، بھولنے والے اور پاگل کی طلاق کو واقع نہیں کیا۔[3] اس سے یقیناً ان دونوں کے مابین فرق نظر آتا ہے لہٰذا یہ قیاس مع الفارق ہے۔

⑤ اس سے استدلال کہ یہ طلاق مکلّف کی طرف سے ایسے محل میں ہے جس کا وہ مالک ہے لہٰذا اس کی طلاق کی تنفیذ اسی طرح ہو گی جس طرح غیر مکرہ کی ہوتی ہے۔ اس حوالے

۱ تہذیب السنن لابن القیم: ۶/۱۸۸
۲ زاد المعاد: ۵/۲۰۶ تا ۲۰۹
۳ ایضاً: ۵/۲۰۵، ۲۰۴

سے ہم اس سے ملتے جلتے دیگر دلائل کا جائزہ لے چکے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مکرہ کو غیر مکرہ پر قیاس کرنا کسی طور بھی مناسب نہیں ہے۔ اس کی تردید دوسرے قول کے دلائل سے بھی ہو جائے گی جو ہم ذکر کرنے والے ہیں۔

مجبوری کی طلاق کے غیر معتبر ہونے پر جمہور کے دلائل

① حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا:

«لا طلاق ولا عتاق في غلاق»[1]

''زبردستی کی کوئی طلاق اور آزادی نہیں ہے۔''

اور اِکراہ زبردستی میں شامل ہے، کیونکہ مجبور و مکرہ شخص تصرف کا حق کھو بیٹھتا ہے۔

② حضرت علیؓ سے موقوفاً روایت ہے:

''كل طلاق جائز إلا طلاق المعتوه والمكره''[2]

''دیوانے اور مکرہ کے سوا ہر ایک کی طلاق جائز ہے۔''

③ صحیح بخاری میں حضرت عبد اللہؓ بن عباس کا قول ہے:

''طلاق السكران والمستكره ليس بجائز''[3]

''مجبوری اور نشے کی حالت میں طلاق جائز نہیں ہے۔''

④ ثابت بن احنف نے عبد الرحمٰن بن زید بن خطاب کی اُمّ ولد سے نکاح کر لیا۔ کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن عبد الرحمن بن زید بن خطاب نے مجھے بلایا۔ میں اُن کے ہاں آیا تو وہاں دو غلام کوڑے اور زنجیریں پکڑ کر بیٹھے ہوئے تھے۔ اُس نے مجھ سے کہا: تو نے میرے باپ کی اُمّ ولد سے میری رضا کے بغیر نکاح کیا ہے۔ میں تجھے موت کے گھاٹ اُتار دوں گا۔ پھر کہنے لگا: تو طلاق دیتا ہے یا میں کچھ کروں؟ تو میں نے کہا: ہزار بار طلاق۔ میں اس کے ہاں سے نکل کر عبد اللہ بن عمرؓ کے پاس آیا اور سارا ماجرا بیان کیا تو آپ نے فرمایا: یہ طلاق نہیں ہے، اپنی بیوی کے پاس چلا جا۔ پھر میں عبد اللہ بن زبیر کے پاس آیا تو اُنہوں نے

---

١ مسند احمد: ٢٧٦/٦

٢ سنن ترمذی: ١١٩١

٣ صحیح بخاری، ترجمة الباب : باب الطلاق فی الغلاق

بھی یہی فرمایا۔[1]

⑤ چونکہ یہ قول زبردستی منوایا جاتا ہے، اس لیے یہ کوئی تاثیر نہیں رکھتا۔ جیسا کہ مجبوری کی حالت میں کلمۂ کفر کہنا۔[2]

بیان کردہ عمومی دلائل سے جمہور نے استدلال کیا ہے کہ مکرہ کی طلاق واقع نہیں ہو گی۔

راجح موقف

بیان کردہ دلائل سے واضح ہوتا ہے کہ مکرہ کی طلاق کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ جمہور کے موقف کو ترجیح دینے کی درج ذیل وجوہات ہیں:

① جمہور کے دلائل کا قوی ہونا۔

② احناف کے دلائل کا کمزور ہونا، کیونکہ ان پر اعتراضات وارد ہوئے ہیں۔

③ یہی موقف اُصولِ شریعہ اور قواعد کے زیادہ قریب ہے، کیونکہ اس سے بہت سی خرابیوں کا رد ہو جاتا ہے۔ شیخ احمد دہلوی کہتے ہیں:

> ''اگر مکرہ کی طلاق کو طلاق شمار کیا جائے تو اس سے زبردستی کا دروازہ کھل جائے گا اور بعید نہیں ہے کہ کوئی طاقتور اسی دروازہ سے کمزور کی بیوی کو چھین لے۔ جب بھی اس کے دل کو کوئی خاتون بھلی لگے، وہ تلوار کے زور پر زبردستی طلاق دلوائے گا۔ لیکن جب اس قسم کی اُمیدوں کا سدباب کر دیا جائے گا تو لوگ ان مظالم سے بچے رہیں گے جو اکراہ کی وجہ سے پیش آسکتے ہیں۔''[3]

بہت سے محققین اسی موقف کے حامل نظر آتے ہیں، ان میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ[4]، ابن قیم[5]، امام شوکانی[6] اور نواب صدیق بن حسن قنوجی[7] شامل ہیں۔

نوٹ: آئندہ شمارے میں غصہ کی حالت میں دی گئی طلاق کا شرعی حکم بیان کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ

---

١ مؤطا امام مالک، کتاب الطلاق، باب جامع الطلاق: ١٢٤٥

٢ المغنی: ١٠/ ٣٥١، زاد المعاد: ٥/ ٢٠٤

٣ حجۃ البالغۃ: ٢/ ١٣٨

٤ مجموع الفتاویٰ: ٣٣/ ١١٠

٥ زاد المعاد: ٥/ ٣٠٤

٦ نیل الوطار: ٦/ ٢٦٥

٧ الروضة الندية: ٢/ ٤٢

مولانا عبد المالک[1]

جنگی اخلاقیات: احادیثِ نبویہؐ کے آئینے میں[2]

’انٹرنیشنل کمیٹی برائے ریڈ کراس‘ کے زیر اہتمام ۱۶ مئی ۲۰۱۱ء کو آواری ہوٹل لاہور میں مختلف مکاتبِ فکر کے علما کا ایک سیمینار منعقد ہوا جس کا موضوع ’جنگ سے متاثرین کے حقوق اور اسلامی آداب‘ تھا۔ سیمینار مذکور میں مدیر اعلیٰ ’محدث‘ نے بھی ’اسلامی جہاد کے آداب‘ پر فاضلانہ خطاب کیا۔ زیر نظر مقالہ مولانا عبد المالک نے اسی سیمینار کی پہلی نشست میں پڑھا، جو اپنے موضوع پر جامع اور پر مغز ہونے کی بنا پر مکمل شائع کیا جارہا ہے۔ اسلامی جہاد کے بارے میں نبویؐ ہدایات ملاحظہ کیجئے اور دیکھئے کہ انسانی حقوق کے مغربی محافظ بلند بانگ دعووں کے بعد خود اپنی ناجائز جنگوں میں کن آداب کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ ح م

اسلام نے جنگ کے ان تمام وحشیانہ حرکات کو روک دیا ہے جو جاہلیت کی لڑائیوں میں کی جاتی تھیں، مثلاً

غیر اہل قتال کی حرمت

اسلام نے محاربین کو دو طبقوں میں تقسیم کیا ہے: اہل قتال اور غیر اہل قتال

اہل قتال وہ ہیں جو جنگ میں عملاً حصہ لیتے ہیں اور غیر اہل قتال وہ جو جنگ میں حصہ نہیں لے سکتے مثلاً عورتیں، بچے، بیمار، زخمی، اندھے، مقطوع الاعضا یعنی معذور، مجنون، سیاح، خانقاہ نشین، زاہد، معبدوں اور مندروں کے مجاور، ایسے ہی دوسرے بے ضرر لوگ۔ اسلام نے طبقہ اول کے لوگوں کو جہاد کے دوران قتل کرنے کی اجازت دی ہے اور طبقہ دوم کے لوگوں کو قتل کرنے سے اسلام منع کرتا ہے۔ ایک مرتبہ میدانِ جنگ میں رسول اللہ ﷺ نے ایک عورت کی لاش پڑی دیکھی تو ناراض ہو کر فرمایا کہ

۱ صدر اتحاد العلما، پاکستان..... و رئیس مرکز علوم اسلامیہ، منصورہ

۲ تخریج احادیثِ مبارکہ از مدیر معاون ماہنامہ ’محدث‘ لاہور

«ماكانت هذه تقاتل » ''یہ تو لڑنے والوں میں شامل نہ تھی''

اور سالارِ فوج حضرت خالد کو کہلا بھیجا: «لاتقتلن امرأة ولا عسيفا»[1]

''عورت اور اجیر کو ہرگز قتل نہ کرو۔''

ایک دوسری روایت کے مطابق آپ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کے قتل کی عام ممانعت فرمادی: «فنهى النبي عن قتل النساء والصبيان»[2] ''نبی کریم نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے روک دیا۔'' ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لاتقتلوا شيخًا فانيًا ولاطفلا صغيرًا ولاامرأة ولاتغلوا وضموا غنائمكم وأصلحوا وأحسنوا إن الله يحب المحسنين»[3]

''کسی بوڑھے ضعیف، چھوٹے بچے اور عورت کو قتل مت کرو اور اموالِ غنیمت میں چوری نہ کرو۔ جنگ میں جو کچھ ہاتھ میں آئے سب کو ایک جگہ جمع کرو۔ نیکی اور احسان کرو، اللہ محسنین کو پسند کرتا ہے۔''

فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے پہلے سے ہدایت فرمادی کہ کسی زخمی پر حملہ نہ کرنا، جو کوئی جان بچا کر بھاگے اس کا پیچھا نہ کرنا اور جو اپنا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے، اسے امان دینا۔

عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ

''آنحضرت ﷺ جب کبھی فوج بھیجتے تھے تو ہدایت کر دیتے تھے کہ معابد کے بے ضرر خادموں اور خانقاہ نشین زاہدوں کو قتل نہ کرنا:

«لاتقتلوا... أصحاب الصوامع»[4]

خلاصہ یہ کہ وہ تمام لوگ جو لڑنے سے معذور ہیں، قتال سے مستثنیٰ ہیں بشرطیکہ وہ جنگ میں حصہ نہ لیں۔ لیکن اگر بیمار فوجوں کی رہنمائی کر رہا ہو، عورت جاسوسی کر رہی ہو، بچہ خفیہ خبریں لارہا ہو یا مذہبی رہنما فوج کو جنگ کا جوش وجذبہ دلا رہا ہو، تو اس کا قتل جائز ہو گا۔

---

۱ سنن ابو داؤد: ۲۶۶۹
۲ صحیح بخاری: ۲۸۵۲
۳ سنن ابو داؤد: ۲۶۱۴
۴ مسند احمد: ۲۶/۴

غفلت میں حملہ کرنے سے احتراز

عرب میں قاعدہ تھا کہ راتوں کو اور خصوصاً رات کے آخری حصہ میں جب لوگ سو رہے ہوتے اچانک حملہ کر دیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس عادت کو بند کر دیا:

«كان إذا جاء قومًا لم يغر حتى يصبح»[1]

''آپ جب کسی دشمن پر رات کے وقت پہنچتے تو جب تک صبح نہ ہوتی حملہ نہ کرتے۔''

آگ میں جلانے سے ممانعت

عرب اور غیر عرب شدتِ انتقام میں دشمن کو زندہ جلا دیا کرتے تھے۔ حضورؐ نے اس وحشیانہ حرکت کو بھی ممنوع قرار دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لا ينبغي أن يعذب بالنار إلا ربّ النار»[2]

'' آگ کا عذاب صرف آگ کے رب کو ہی لائق ہے کہ وہ دے۔''

ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زنادقہ کو جلایا تھا حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے اُنہیں نبی کریم ﷺ کا یہ حکم سنایا: «لا تعذبوا بعذاب الله»[3]

آگ اللہ کا عذاب ہے۔ اس سے بندوں کو عذاب نہ دو۔

ہاتھ باندھ کر قتل کرنے کی ممانعت

رسول اللہ ﷺ نے دشمن کو باندھ کر قتل کرنے اور تکلیف دے کر قتل کرنے سے منع کر دیا۔ عبید بن یعلی کا بیان ہے کہ ہم عبد الرحمن بن خالد کے ساتھ جنگ پر گئے تھے، ایک موقع پر ان کے پاس لشکرِ اعدا میں سے چار نوجوان پکڑے ہوئے آئے۔ اُنہوں نے حکم دیا کہ انھیں باندھ کر قتل کیا جائے۔ اس کی اطلاع حضرت ابو ایوب انصاریؓ کو ہوئی تو اُنہوں نے کہا: ''سمعت رسول الله ﷺ ينهى عن قتل الصبر فو الذي نفسي بيده

1 صحیح بخاری: ۲۷۸۴
2 سنن ابو داؤد: ۵۲۶۸
3 صحیح بخاری: ۶۵۲۴

لو كانت الدجاجة ما صبرتها"[1]

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ آپؐ نے باندھ کر قتل کرنے سے روکا ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر مرغی بھی ہوتی تو میں اسے باندھ کر قتل نہ کرتا۔"

عبدالرحمن کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے اسکے کفارہ میں چار غلام آزاد کیے۔

لوٹ مار کی ممانعت

جنگِ خیبر میں صلح ہو جانے کے بعد جب اسلامی فوج کے نئے نوجوان بے قابو ہو گئے اور اُنہوں نے غارت گری شروع کر دی تو آپ نے عبدالرحمن بن عوف کو حکم دیا: لشکر کو نماز کے لیے جمع کرو۔ جب لوگ جمع ہو گئے، تو آپ ﷺ نے خطبہ دیا اور فرمایا:

"تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اہل کتاب کے گھروں میں بلا اجازت داخل ہو جاؤ، ان کی عورتوں کو مارو پیٹو اور ان کے پھل کھا جاؤ حالانکہ جو اُن پر واجب تھا، وہ تم کو دے چکے۔"

عبداللہ بن یزید روایت کرتے ہیں:

نهٰى النبي ﷺ عن النهبٰى والمثلة[2]

"نبی ﷺ نے لوٹ مار اور مثلہ سے روکا ہے۔"

راستے میں لوگوں کے جانوروں کا دودھ بھی بلا اجازت لینے کی ممانعت فرمادی۔

تباہ کاری کی ممانعت

فوج کی پیش قدمی کے وقت فصلوں کو خراب کرنا، کھیتوں کو تباہ کرنا، بستیوں میں قتل عام، آتش زنی کرنا، جنگجوؤں کے گروہوں میں عام ہے۔ اسلام اسے فساد قرار دیتا ہے اور اس کی کلی ممانعت قرآن میں ہے:

﴿وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ

۱ سنن ابو داؤد: ۲۶۶۷

۲ صحیح بخاری: ۲۳۴۲

الْفَسَادَ﴾[1]

''جب وہ حاکم بنتا ہے تو کوشش کرتا ہے کہ زمین میں فساد پھیلائے اور فصلوں اور نسلوں کو برباد کرے اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا۔''

مثلہ کی ممانعت

دشمن کی لاشوں کو بے حرمت کرنے اور ان کے اعضا کی قطع وبرید کرنے کو بھی اسلام نے سختی سے منع کیا ہے۔ عبد اللہ بن یزید رضی اللہ عنہ انصاری روایت کرتے ہیں:

«نهى النبي ﷺ عن النهبى والمثلة»[2]

''آپ ﷺ نے لوٹ مار اور مثلہ سے منع فرمایا ہے۔''

نبی کریم ﷺ فوجوں کو بھیجتے وقت جو ہدایات دیتے تھے، ان میں تاکید فرماتے:

«لا تغدروا ولا تغلوا ولا تمثلوا»[3]

''بدعہدی نہ کرو غنیمت میں خیانت نہ کرو اور مثلہ نہ کرو۔''

قتل اسیر کی ممانعت

فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ جب شہر میں داخل ہونے لگے تو فوج میں اعلان کرا دیا تھا:

«لا تجهزن على جريح ولا يتبعن مدبرا ولا يقتلن اسيرا ومن اغلق بابه فهو آمن»[4]

''کسی مجروح پر حملہ نہ کیا جائے۔ کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے۔ کسی قیدی کو قتل نہ کیا جائے اور جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے وہ امان میں ہے۔''

قتل سفیر کی ممانعت

سُفرا اور قاصدوں کے قتل کو بھی آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ مسیلمہ کذاب کے

---

۱ البقرۃ:۲۰۵

۲ صحیح بخاری:۲۳۴۲

۳ مسند احمد:۴/۴۶۱

۴ الرحیق المختوم، ص ۴۳۴، سنن دار قطنی:۳/۶۰

قاصد جب اس کا گستاخانہ پیغام لے کر حاضر ہوئے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«لولا أن الرسل لا تقتل، لضربت أعناقكما»[1]

''اگر قاصدوں کا قتل ممنوع نہ ہوتا تو میں تمہاری گردن مار دیتا۔''

اسی سے فقہا نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جب کوئی شخص اسلامی سرحد پر پہنچ کر بیان کرے کہ میں فلاں حکومت کا سفیر ہوں اور حاکم اسلام کے پاس پیغام دے کر بھیجا گیا ہوں تو اس کو امن کے ساتھ داخلہ کی اجازت دی جائے، اس پر کسی قسم کی زیادتی نہ کی جائے۔ اس کے مال ومتاع، خدم وحشم حتیٰ کہ اسلحہ سے بھی تعرض نہ کیا جائے؛ اِلّا یہ کہ وہ اپنا سفیر ہونا ثابت نہ کرسکے۔

بدعہدی کی ممانعت

غدر، نقض عہد اور معاہدوں پر دست درازی کرنے کی برائی میں بے شمار احادیث آئی ہیں جن کی بنا پر یہ فعل اسلام میں بدترین گناہ قرار دیا گیا ہے۔ عبد اللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«من قتل معاهدا لم يرح رائحة الجنة، وان ريحها ليوجد من مسيرة أربعين عامًا»[2]

''جو کوئی کسی معاہد کو قتل کرے گا، اسے جنت کی بو تک نصیب نہ ہوگی حالانکہ اس کی بو چالیس برس کی مسافت سے بھی محسوس ہوتی ہے۔''

بد نظمی اور انتشار کی ممانعت

اہل عرب کی عادت تھی کہ جب جنگ کو نکلتے تو راستہ میں جو ملتا، اسے تنگ کرتے اور جب کسی جگہ اُترتے تو ساری منزل پر پھیل جاتے تھے یہاں تک کہ راستوں پر چلنا مشکل ہو جاتا تھا۔ داعیٔ اسلام نے آکر اس کی بھی ممانعت کر دی۔ ایک مرتبہ جب آپ جہاد کے لیے تشریف لے جارہے تھے تو آپ ﷺ کے پاس شکایت آئی کہ فوج میں عہدِ جاہلیت کی سی بد

۱ سنن ابو داؤد: ۲۷٦۱
۲ صحیح بخاری: ۲۹۹۵

نظمی پھیلی ہوئی ہے اور لوگوں نے راستہ کو تنگ کر رکھا ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے منادی کرائی: «من ضيق منزلا أو قطع طريقًا فلا جهاد له»[1]

''جو کوئی راستہ کو تنگ کرے گا یا راہ گیروں کو لوٹے گا اس کا جہاد نہیں ہوگا۔''

ایک دوسرے موقع پر فرمایا:

«إن تفرقكم في هذه الشعاب والأودية إنما ذٰلكم من الشيطان»[2]

''تمہارا اس طرح وادی میں منتشر ہوجانا ایک شیطانی فعل ہے۔''

ابو ثعلبہ خشنی کا بیان ہے کہ اس کے بعد یہ کیفیت ہوگئی تھی کہ جب اسلامی فوج کسی جگہ اُترتی تو اس کا گنجان پڑاؤ دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اگر ایک چادر تان لی جائے تو سب کے سب نیچے آجائیں۔

شوروہنگامہ کی ممانعت

عرب کی جنگ میں اس قدر شوروہنگامہ برپا ہوتا تھا کہ اس کا نام ہی 'غوغا' پڑھ گیا تھا۔ اسلام لانے کے بعد بھی عربوں نے یہی طریقہ برتنا چاہا مگر داعی اسلام نے اس کی اجازت نہ دی۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

''كنا مع رسول الله ﷺ وكنا إذا أشرفنا علىٰ واد هللنا وكبرنا، ارتفعت أصواتنا، فقال النبي ﷺ: «اربعوا علىٰ أنفسكم، إنكم لا تدعون أصم ولا غائبًا، إنه معكم إنه سميع قريب»[3]

''ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، جب کسی وادی پر پہنچتے تھے تو زوروشور سے تکبیر اور تہلیل کے نعرے بلند کرتے تھے۔ اس پر آپ نے فرمایا: اے لوگو! وقار کے ساتھ چلو، تم جس کو پکار رہے ہو وہ نہ بہرہ ہے اور نہ غائب۔ وہ تو تمہارے ساتھ ہے، سب کچھ سنتا ہے اور بہت قریب ہے۔''

---

۱ سنن ابو داؤد: ۲۶۲۹
۲ ایضاً: ۲۶۲۸
۳ صحیح بخاری: ۲۸۳۰

وحشیانہ افعال کے خلاف عام ہدایات

فوجوں کی روانگی کے وقت جنگی برتاؤ کے متعلق ہدایات دینے کا طریقہ جس سے اُنیسویں صدی کے وسط تک مغربی دنیا نابلد تھی، ساتویں صدی عیسوی میں عرب کے اُمی پیغمبر ﷺ نے جاری کیا تھا۔ داعئ اسلام ﷺ کا قاعدہ تھا کہ جب آپ ﷺ کسی سردار کو جنگ پر بھیجتے تو اسے اور اس کی فوج کو پہلے تقویٰ اور خوفِ خدا کی نصیحت کرتے، پھر فرماتے:

«فاغزوا جميعا وفي سبيل الله، فقاتلوا من كفر بالله، ولا تغدروا ولا تغلوا ولا تمثلوا ولا تقتلوا وليدًا»[1]

''جاؤ سب اللہ کی راہ میں لڑو، اُن لوگوں سے جو اللہ سے کفر کرتے ہیں۔ مگر جنگ میں بدعہدی نہ کرو، غنیمت میں خیانت نہ کرو، مثلہ نہ کرو اور کسی بچے کو قتل نہ کرو۔''

خلیفۂ اوّل حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جب شام کی طرف فوجیں روانہ کیں تو ان کو دس ہدایات دی تھیں جن کو تمام مؤرخین اور محدثین نے نقل کیا ہے۔ وہ ہدایات یہ ہیں:

① عورتیں، بچے اور بوڑھے قتل نہ کیے جائیں۔
② مثلہ نہ کیا جائے۔
③ راہبوں اور عابدوں کو نہ ستایا جائے اور نہ ان کے معابد مسمار کیے جائیں۔
④ کوئی پھل دار درخت نہ کاٹا جائے اور نہ کھیتیاں جلائی جائیں۔
⑤ آبادیاں ویران نہ کی جائیں۔
⑥ جانوروں کو ہلاک نہ کیا جائے۔
⑦ بدعہدی سے ہر حال میں احتراز کیا جائے۔
⑧ جو لوگ اطاعت کریں، ان کی جان و مال کا وہی احترام کیا جائے جو مسلمانوں کی جان و مال کا ہے۔
⑨ اموالِ غنیمت میں خیانت نہ کی جائے۔

---

۱ مستدرک حاکم: ۴/۵۸۲

⑩ جنگ میں پیٹھ نہ پھیری جائے۔

اصلاح کے نتائج

ان احکام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے جنگ کو تمام وحشیانہ افعال سے پاک کر دیا جو اس عہد میں جنگ کا لازمی جزو بنے ہوئے تھے۔ اسیرانِ جنگ اور سفرا کا قتل، مُردوں کی بے حرمتی، معاہدین کا قتل، مجروحینِ جنگ کا قتل، غیر اہل قتال کا قتل، اعضا کی قطع و برید، آگ کا عذاب، لوٹ مار، قطع طریق، فصلوں اور بستیوں کی تخریب، بد عہدی وپیمان شکنی، فوجوں کی پراگندگی وبد نظمی، لڑائی کا شور وہنگامہ، سب کچھ آئین جنگ کے خلاف قرار دیا گیا اور جنگ صرف ایک ایسی چیز رہ گئی جس میں شریف اور بہادر آدمی دشمن کو کم سے کم ممکن نقصان پہنچا کر اس کے شر کو دفع کرنے کی کوشش کرے۔

اس اصلاحی تعلیم نے آٹھ سال کی قلیل مدت میں جو عظیم الشان نتائج پیدا کیے، اس کا بہترین نمونہ فتح مکہ ہے۔ ایک طاقت پر دوسری طاقت کی فتح اور خصوصاً دشمن کے بڑے شہر کی تسخیر کے موقع پر وحشی عرب ہی نہیں بلکہ متمدن روم وایران میں بھی جو کچھ ہوتا تھا، اسے پیش نظر رکھیے اس کے بعد غور کیجیے کہ وہی عرب جو چند برس پہلے تک جاہلیت کے طریقوں کے عادی تھے اسی شہر میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوتے ہیں جس سے آٹھ ہی برس پہلے ان کو بری طرح تکلیفیں دے دے کر نکالا گیا تھا اور انہی دشمنوں پر فتح حاصل کرتے ہیں جنہوں فاتحوں کو گھر سے بے گھر کرنے پر قناعت نہیں کی تھی بلکہ جس جگہ اُنہوں نے پناہ لی تھی وہاں سے بھی ان کو نکال دینے کے لیے کئی مرتبہ چڑھ کر آئے تھے۔ ایسے شہر اور ایسے دشمنوں پر غلبہ حاصل ہوتا ہے مگر کوئی قتل عام نہیں کیا جاتا، کسی قسم کی لوٹ مار نہیں ہوتی، کسی کی جان ومال اور عزت وآبرو سے تعرض نہیں کیا جاتا، پرانے اور کٹر دشمنوں میں سے کسی پر انتقام کا ہاتھ نہیں اٹھتا، تسخیر شہر کی پوری کارروائی میں صرف چوبیس آدمی مارے جاتے ہیں اور وہ بھی اس وقت جب کہ دست درازی میں پیش قدمی خود ان کی طرف سے ہوئی۔

سالارِ فوج ﷺ داخلہ سے پہلے اعلان کر دیتا ہے کہ جب تک تم پر کوئی ہاتھ نہ اُٹھائے تم

بھی ہاتھ نہ اُٹھانا۔ شہر میں داخل ہوتے ہی منادی کی جاتی ہے کہ جو کوئی اپنا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے گا، اسے امان ہے اور جو کوئی ہتھیار ڈال دے گا، اسے بھی امان ہے جو کوئی ابو سفیان کے گھر پناہ لے گا اسے بھی امان ہے۔ پھر تکمیل تسخیر کے بعد فاتح سردار ﷺ کے سامنے دشمن ایک ایک کر کے لائے جاتے ہیں جنہوں نے ان کو تیرہ برس تک انتہائی اذیتیں پہنچانے کے بعد آخر جلاوطنی پر مجبور کیا تھا۔ جو گھر سے نکالنے کے بعد اس کو اور اس کے دین کو دنیا سے مٹا دینے کے لیے بدر واُحد اور احزاب میں بڑی بڑی تیاریاں کر کے گئے تھے۔ یہ دشمن گردنیں جھکائے ہوئے آ کھڑے ہوتے ہیں۔ فاتح ﷺ پوچھتے ہیں: اب تم کیا امید کرتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیا کروں گا؟ مفتوح شرم ساری کے ساتھ جواب دیتے ہیں: أخ كريم وابن أخ كريم ''تو فیاض بھائی ہے اور فیاض بھائی کا بیٹا ہے۔''

اس پر فاتح کہتے ہیں: «لا تثريب عليكم اليوم اذهبوا أنتم الطلقاء»[1]
''جاؤ تم آزاد ہو آج تم سے باز پرس نہیں۔''

- یہ صرف جان ہی کی بخشش نہ تھی بلکہ اس کے ساتھ فاتح اور اُس کی فوج نے اُن جائیدادوں کو بھی اُنہیں کے حق میں معاف کر دیا جو آٹھ برس پہلے ان کی مِلک میں تھیں۔
- ہبار بن اسود جو فاتح ﷺ کی جوان بیٹی سیدہ زینبؓ کا قاتل تھا، عاجزی کے ساتھ مسلمان ہوا اور معاف کیا گیا۔
- وحشی بن حرب جس نے فاتح کے نہایت محبوب چچا حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا، مسلمان ہوا اور بخشا گیا۔
- ہند بنت عتبہ جو سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ[2] چبا گئی تھی، اپنی انتہائی شقاوت کے باوجود فاتح کے غضب سے محفوظ رہی اور آخر عفو و درگزر کا دامن اس کے لیے بھی وسیع ہوا۔

---

١ بیہقی: ۱۱۸/۹

٢ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ واقعہ مستند طور پر ثابت شدہ نہیں، مزید تفصیل کے لئے دیکھیں ماہنامہ 'محدث' اکتوبر ۲۰۰۸ء، 'ہندہ بنت عتبہ کے متعلق مبالغہ آمیز قصہ' از مولانا عبد الجبار سلفی (ادارہ)

- سب سے بڑے دشمنِ اسلام ابوجہل کا بیٹا عکرمہ جو خود بھی بڑا دشمن اسلام تھا، مسلمان ہوا اور جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کی صف میں شامل کیا گیا۔
- ان کے علاوہ عبد اللہ بن ابی سرح، سارہ اور کعب بن زبیر جو سب کے سب فاتح کے جانی دشمن تھے، معاف کیے گئے۔

جنگ کے مہذب قوانین

اطاعتِ امام

جنگ کو ایک ضابطہ کے تحت لانے کے سلسلہ میں اسلام کا پہلا کام یہ تھا کہ اس نے فوجی نظام میں مرکزیت پیدا کی اور فوج میں سمع وطاعت کا زبردست قانون جاری کیا۔ اسلام کے قواعدِ حرب میں اوّلین اور اہم ترین قاعدہ یہ ہے کہ کوئی خفیف سے خفیف جنگی کارروائی بھی امام کی اجازت کے بغیر نہیں کی جاسکتی۔ دشمن کو قتل کرنا، اس کے مال پر قبضہ کرنا، اس کو قید کرنا، اس کے جنگی آلات کو برباد کر دینا فی نفسہٖ جائز ہونے کے باوجود ایسی حالت میں سخت ناجائز بلکہ گناہ ہو جاتا ہے جب کہ امام کے حکم اور اجازت کے بغیر ایسا کیا جائے۔

جنگِ بدر سے پہلے جب حضرت عبد اللہ بن جحش نے آپ ﷺ کی اجازت کے بغیر قریش کی ایک جماعت سے جنگ کی اور کچھ مالِ غنیمت بھی لوٹ لائے تو اس پر آپ ﷺ نے سخت ناراضی کا اظہار کیا اور ان کے مالِ غنیمت کو ناجائز قرار دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے ان کو یہ کہہ کر ملامت کی تھی کہ صنعتم ما لم تومروا به ''تم نے وہ کام کیا ہے جس کا تمہیں حکم نہیں دیا گیا تھا۔''

حضرت خالدؓ بنو خزیمہ کی طرف دعوتِ اسلام کے لیے بھیجے گئے اور وہاں اُنہوں نے امام کی اجازت کے بغیر ایک غلط فہمی کی بنیاد پر قتل کا بازار گرم کر دیا۔ اس کی اطلاع جب رسول اللہ کو ہوئی تو آپ ﷺ شدتِ غضب سے بے تاب ہو کر کھڑے ہو گئے اور فوراً حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دے کر بھیجا: «اجعل أمر الجاهلية تحت قدميك» تم اس جاہلیت کے کام کو جا کر مٹا دو۔ اسلام نے اطاعتِ امام کو خود خدا اور رسول اللہ کی اطاعت کے بعد

ضروری قرار دیا ہے اور امام کی نافرمانی کو رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کے بعد کا درجہ دیا ہے۔

ایفائے عہد

اسلامی قانون نے جنگ اور صلح دونوں حالتوں میں وفائے عہد کی سخت تاکید کی ہے۔

حقیقتاً اخلاقیات کے قواعدِ اصلیہ میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان کو سخت سے سخت ضرورت کی حالت میں بھی اپنے عہد پر قائم رہنا چاہیے۔ بدعہدی سے خواہ کتنا ہی بڑا فائدہ پہنچتا ہو اور وفائے عہد سے کتنا ہی شدید نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو، اسلام بہر صورت میں اپنے پیرووں کو تاکید کرتا ہے کہ اس فائدے کو چھوڑ دیں اور اس نقصان کو برداشت کرلیں۔ کیونکہ نہ بدعہدی کا بڑے سے بڑا فائدہ اس نقصان کی تلافی کرسکتا ہے جو اس سے انسان کے اخلاق اور روحانیت کو پہنچتا ہے اور نہ ایفائے عہد کا کوئی بڑے سے بڑا نقصان اس اخلاقی اور روحانی فائدے کو کم کرسکتا ہے جو اس کے ساتھ وابستہ ہے۔ یہ قاعدہ کلیہ جس طرح انفرادی اور شخصی زندگی پر حاوی ہے، اسی طرح اجتماعی اور قومی زندگی پر بھی حاوی ہے۔ آج کل دنیا میں یہ دستور بن گیا ہے کہ جن کاموں کو ایک شخص اپنی ذاتی حیثیت میں سخت شرمناک سمجھتا ہے، انہیں ایک قوم اپنی اجتماعی زندگی میں بے تکلف کر گزرتی ہے اور اسے کوئی عیب نہیں سمجھتی۔ سلطنتوں کے مدبرین اپنی ذاتی حیثیت میں کیسے اخلاقِ فاضلہ و تہذیبِ کاملہ کے مالک ہوں مگر اپنی سلطنت کے فائدے اور اپنی قوم کی ترقی کے لیے جھوٹ بولنا، بے ایمانی کرنا، عہد توڑ دینا، وعدہ خلافیاں کرنا بالکل جائز سمجھتے ہیں اور بڑی بڑی مدعی تہذیب سلطنتیں ایسی بے باکی کے ساتھ یہ حرکات کرتی ہیں کہ گویا کہ یہ کوئی عیب نہیں ہے۔ لیکن اسلام اس معاملہ میں فرد اور جماعت، رعیت اور حکومت، شخص اور قوم میں کوئی امتیاز نہیں کرتا اور بدعہدی کو ہر حال میں ہر غرض کے لیے ناجائز قرار دیتا ہے۔ خواہ وہ شخصی فائدے کے لیے ہو یا قومی فائدے کے لیے:

﴿وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَ لَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَ قَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ﴾[1]

---

1 النحل:۹۱

”اور اللہ کے عہد کو پورا کرو جب تم آپس میں عہد و پیمان باندھو اور قسموں کو ان کی پختگی کے بعد مت توڑو حالانکہ تم اللہ کو اپنا ضامن ٹھہرا چکے ہو۔ تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کو بخوبی جان رہا ہے۔“

معاہدین اور غیر معاہدین

اسلامی قانون تمام غیر مسلم لوگوں کو دو جماعتوں میں تقسیم کرتا ہے۔ ایک وہ جس سے معاہدہ ہے، دوسرے وہ جن سے معاہدہ نہیں ہے۔ معاہدین جب تک تمام شرائط معاہدہ پر قائم رہیں گے، ان کے ساتھ شرائط کے مطابق معاملہ کیا جائے گا اور جنگ میں ان سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا جائے گا:

﴿اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّ لَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْۤا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ﴾[1]

”سوائے ان مشرکوں کے جن سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے اور انہوں نے تمہیں ذرا سا بھی نقصان نہیں پہنچایا نہ کسی کی تمہارے خلاف مدد کی ہے تو تم بھی ان کے معاہدے کی مدت ان کے ساتھ پوری کرو۔“

ان روشن اور عادلانہ اُصولوں کی روشنی میں آج کی جنگوں کا جائزہ لیا جائے تو ان کے ظالمانہ طریقوں کو دیکھ کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آج ملکوں پر کارپٹ بمباری ہوتی ہے، بے گناہ شہریوں کا قتل عام ہوتا ہے۔ قیدیوں کے ساتھ ایسے ظالمانہ برتاؤ ہوتے ہیں جو درندگی اور وحشت کی انتہا پر پہنچے ہوتے ہیں۔ ابو غریب جیل میں کنٹینرز میں ہزاروں لوگوں کو بند کر کے مار دیا گیا اور گوانتانامو بے میں قیدیوں کو کھانا گندگی میں ملا کر کھلایا جاتا ہے اور ان کو قضائے حاجت کی جگہوں میں بند کیا جاتا ہے، اس پر طرفہ تماشا یہ کہ ایسا سب کچھ کرنیوالے تہذیب کے داعی ہوں اور دنیا بھر میں انسانی حقوق کے محافظ بنتے پھریں۔ دنیا آج پھر اسلام کے عادلانہ حکمرانی اور اسکے عادلانہ طور طریقوں کی منتظر ہے!!

---

1 التوبہ: ۴

عبد اللہ حسن

ملتِ اسلامیہ: امریکی استعمار کے نرغے میں!

جہادی ردّ عمل اور عوامی رویے

امریکہ دنیا کی بڑی عسکری طاقت ہے۔ گذشتہ صدی کی دو عظیم جنگوں سے بچے رہنے اور بعد کی کئی دہائیوں تک روس سے سرد جنگ میں نبرد آزما رہنے کے بعد، جب مجاہدینِ اسلام کی کوششوں سے امریکہ کو دنیا میں برتر فوجی قوت بننے کا مقام حاصل ہوا تو اس کی عسکری صنعت اور رجحان، انٹیلی جنس ایجنسیوں کی صلاحیتِ کار، عالمی اداروں میں اثر و رسوخ اور سفارتکاری کی صلاحیتوں کو ایک نیا شکار تراشنا لازمی تھا۔ یہ شکار اس لئے بھی ضروری تھا کہ ایک عظیم فوج کو اگر کسی اہم بیرونی مشن میں مصروف نہ کیا جاتا اور 'ریاستہائے متحدہ امریکہ' کے نام سے ایک براعظم پر پھیلی ۵۲ ریاستوں کو ایک واضح دشمن (چاہے وہ خود ساختہ کیوں نہ ہو) کی طرف یکسو نہ کیا جاتا تو امریکہ کی داخلی سلامتی اور باہمی اتحاد ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا۔

امریکہ کا مجوزہ شکار اگر ترقی یافتہ ممالک بنتے تو ان سے عسکری و سفارتی برتری اور مادی فوائد کا حصول کافی مشکل ہوتا۔ اس مقصد کے لئے امریکہ نے اپنی توجہ ملتِ اسلامیہ کی طرف کی، جسے اللہ تعالیٰ نے دنیا کے بہترین خطوں اور لامتناہی خزانوں کا مالک بنایا ہے۔ عالمی سیاست میں ۱۹۹۰ء کے قریب یہ وہ ٹرننگ پوائنٹ تھا جس کے بعد عالم اسلام کو بارِ دیگر شکار بنانے کی سازشوں کا آغاز کیا گیا۔ یاد رہے کہ ۱۹۹۰ء سے پہلے کی کئی دہائیوں میں ملتِ اسلامیہ براہِ راست کفر کے مدمقابل یا حریف نہیں رہی اور یہ اُن کے لئے قدرے عافیت کے سال ہیں، لیکن اس کے بعد کے سالوں میں آہستہ آہستہ عالم اسلام کے گرد عالمی سازشوں کا گھیرا تنگ کیا جاتا رہا۔ خلیج کی دو جنگوں کے بعد، جن میں بظاہر تو دو مسلم ریاستوں کو آپس میں برسرپیکار دکھایا گیا، لیکن درپردہ امریکہ ایک ریاست کی تائید سے دوسری مسلم ریاست پر بمباری کرتا رہا، حتیٰ کہ پاکستان کے ایٹمی دھماکوں کے بعد تو امریکہ نے نائن الیون کے نام پر براہِ راست اس خطہ میں قدم جمالئے۔ پھر عراق کی جنگ ہو یا مصر و لیبیا کی خانہ جنگی، ہر جگہ امریکہ جنگی جنون کو بڑھانے، دوسروں پر قبضہ جمانے، ان کے وسائل ہتھیانے اور ان پر ہلاکت مسلط کرنے کے نت نئے بہانے تلاش کرتا رہا ہے۔ ان سالوں میں سوڈان اور صومالیہ میں بھی امریکی افواج جارحیت کرتی نظر آتی ہیں۔ پاکستان کے ایٹمی قوت ہونے

کے ناطے امریکہ نے پاکستان میں براہِ راست جنگ کا خطرہ مول لینے کی بجائے، جنوبی علاقہ جات کو اپنا شکار بنانے اور پاکستان کو خانہ جنگی کا شکار کرنے کی حکمتِ عملی اپنا کر حالتِ جنگ میں مبتلا کیا ہوا ہے۔ ملتِ اسلامیہ سے نبرد آزما ہونے اور ان کے وسائل ہتھیانے کی سازشوں کا امریکہ کو بھی پوری طرح احساس ہے لیکن ہر ایسے حساس موقع پر وہ بڑی وضاحت سے اپنے اس عزم کی تردید کرکے مسلمانوں کو مغالطہ دینے کی کوشش کرتا آیا ہے، جیساکہ صدر اوبامہ کا خطابِ قاہرہ ہو یا حالیہ اُسامہ بن لادن کی شہادت کے بعد اس کے بیانات، ہر جگہ وہ ملت کو یہ دھوکہ دینے کی کوشش کرتا نظر آتا ہے۔ حالانکہ گذشتہ ۲۰ برس کے امریکی اقدامات کو دیکھا جائے تو معمولی عقل رکھنے والا فرد بھی اس بھول میں مبتلا نہیں رہ سکتا...!!

ملتِ اسلامیہ کے مرکز کا معدوم ہونا

دوسری طرف یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ وہ ملتِ اسلامیہ یا عالم اسلام جس پر وقت کی سب سے بڑی فوجی قوت اپنے تمام لاؤلشکر کے ساتھ کئی سالوں سے حملہ آور ہے اور ہلاکت وبربریت کی سیاہ تاریخ رقم کررہی ہے، اس ملتِ اسلامیہ کے ظاہری مصداقات تو موجود ہیں لیکن اس کے مرکز وقیادت کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں جو عالم اسلام کے منتشر عناصر کی شیرازہ بندی کرکے اس ظلم کے انسداد کے لئے کوئی جامع منصوبہ بندی کرے۔ ملتِ اسلامیہ 'وطنی ریاستوں' سے بڑھ کر ایک نظریاتی اجتماعیت کا نام ہے، جو اسلام کا کلمہ پڑھنے والوں پر مشتمل ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی نظریاتی اجتماعیت کی قیادت بھی اس کے نظریے سے ہی پھوٹتی ہے۔ ملتِ اسلامیہ کی سیاسی اجتماعیت خلیفہ اور خلافت کے ادارے کی متقاضی ہے جبکہ جمہوری نظام وطنی ریاست کے تصور سے پیدا ہوتا ہے۔ آج مسلم اُمّہ مظالم کا شکار اور غیروں کے ستم کا نشانہ تو ہے لیکن اس کی جمعیت کا کوئی مرکز نہیں جو اس تشخص کو تقویت دینے، منظّم کرنے اور جوابی حکمتِ عملی تیار کرنے کی منصوبہ بندی کرے۔ او آئی سی کے نام سے مسلم ممالک کا انتہائی سست پلیٹ فارم بھی ملتِ اسلامیہ کی نمائندگی کے بجائے درحقیقت مسلمانوں کی وطنی ریاستوں National States کے حکمرانوں پر مشتمل ہے جو پھر ملت کے وجود کی بجائے اپنے ارزاں قومی اور وطنی مفادات سے آگے نہیں بڑھ پاتا۔ خلافت کے مرکز کا معدوم ہونا وہ بنیادی وجہ ہے کہ ہر مسلم قوم کا حکمران اگر اپنی قوم سے مخلص ہو تو اپنی ریاست کی حد تک ہی کوششیں کرتا نظر آتا ہے، لیکن اسلام اور اہل اسلام کا مفاد نہ تو کسی ریاست کا موضوع ہیں بلکہ مسلم خطوں کی حکومتیں اسلامی تشخص سے بدکتے ہوئے، کبھی عربی تشخص میں پناہ لیتی ہیں تو کبھی خالص علاقائی تعصّب میں۔ ملتِ اسلامیہ کو درپیش یہ خطرناک جارحیتیں آج خلافت کی ضرورت کو پکار پکار کر آواز دے رہی ہے اور جب تک ایسا کوئی حقیقی مرکز

فعّال نہ ہوگا، اس وقت تک مسلم اُمّہ اپنے مسائل کے گرداب سے باہر نہیں نکل سکتی، بالخصوص ایسے دور میں جب چھوٹے سے چھوٹے مقصد کے لئے باضابطہ تنظیمی وادارہ جاتی تقاضے بہت بڑھ چکے ہیں اور اُمتِ مسلمہ کو جن اقوام سے واسطہ پیش آرہا ہے، وہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے نام پر کبھی ۵۲ ریاستوں پر مشتمل وفاق میں اپنی سیاسی وعسکری قوت کو متحد و متفق کئے ہوئے ہیں تو کبھی یورپی اقوام: یورپی یونین، یورو کرنسی یا جی ۸ ممالک کے نام پر مشترکہ اور وسیع تر اتحاد کی قوت سے اس کے خلاف نبرد آزما ہیں۔

دوسری طرف یہ بھی ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ ملتِ اسلامیہ کے تنظیمی وانتظامی مرکز سے قطع نظر، اسلام کی نام لیوا دنیا کی ایک چوتھائی آبادی، عوامی سطح پر اسلامی تقاضوں کے عین مطابق ایک دوسرے سے بڑی گہرائی کے ساتھ مربوط ومنسلک ہے۔ مختلف ممالک میں بٹے ہوئے مسلمان اسلام کے باہمی گہرے رشتے کی وجہ سے دوسرے مسلمان ممالک کے عوام کے درد کو اپنے سینے پر آنے والے زخم کی طرح محسوس کرتے ہیں۔ مسلم علاقوں میں بظاہر جزوی فرقہ وارانہ اختلافات سے قطع نظر جنہیں وطنی ریاستیں مسلم کاز کو کمزور کرنے اور اپنے مفادات کے لئے مزید ہوا دیتی رہتی ہیں، دنیا بھر میں پائی جانے والی مسلم اقلیتیں ایک دوسرے سے نظریے کے گہرے رشتے میں پروئی ہوئی ہیں۔ مغربی ممالک میں اسلامی ثقافت کے خلاف پائی جانے والی شدید حالیہ لہر کی وجہ بھی مختلف وطنوں سے آنے والے مسلمانوں کا آپس میں اسلام کے رشتے میں پوری شدت سے جڑ جانا ہے، جس کا کوئی حل مغربی تہذیب کے پاس نہیں ہے۔ غرض اسلامی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے دنیا کی دیگر تمام اقوام سے کہیں زیادہ ملتِ اسلامیہ کے ایک متحد و مجتمع جمعیت بننے کے امکان قوی ہیں، جنہیں عالمی استعمار مسلسل حیلے وتدابیر سے ٹالنے کی پیہم کوشش کرتا چلا آرہا ہے۔ جس دن ظاہری رکاوٹیں ختم ہوئیں اور ملت کو کوئی حقیقی مرکز مل گیا، تو ملتِ اسلامیہ ماضی کی طرح پھر دنیا کی عظیم الشان خلافتِ اسلامیہ ہوگی۔ ملتِ اسلامیہ کے عرب ممالک میں پایا جانے والا حالیہ شدید اضطراب اس امر کا غماز ہے کہ اگر اُن کے سیاسی المیہ کا تدارک ہو جائے اور اُنہیں اسلام نافذ کرنے والی حکومتیں مل جائیں تو اُن کو اللہ کی عنایت سے حاصل شدہ عظیم الشان نظریاتی قوت، اور مادی وشخصی وسائل کے سامنے دنیا کی کوئی طاقت آج بھی دم مارنے کی سکت نہیں رکھتی اور اس طرح ملت کا زوال چند سالوں میں عروج میں بدل سکتا ہے۔

اوپر پیش کردہ مختصر منظرنامے اور گمبھیر حالات میں اُمّتِ مسلمہ میں جواباً کئی طرح کے رویے سامنے آتے ہیں اور یہی رویے ہمارا موضوع ہیں:

پہلا رویہ: مجاہدین کی شدت پسندی

جب ملتِ اسلامیہ کے کسی خطے پر کوئی جابر اور طالع آزما فوجی قوت اپنے پنجے گاڑنے کی منصوبہ بندی کرتی ہے تو اس کے نتیجے میں ملت کے مخلص عناصر میں شدید ہیجان پیدا ہوتا ہے۔ مسلم نوجوانوں میں جو خلوص کے ساتھ زورِ بازو بھی رکھتے ہیں، اس کے خلاف شدید جذبات پروان چڑھتے ہیں۔ اگر ہم براہِ راست چند سالہ واقعات کا جائزہ لیں تو ۱۹۹۰ء کے بعد اسلام کو تختۂ مشق بنانے والا امریکہ کبھی دو مسلم ممالک میں پھوٹ ڈال کر؛ ایک کو لالچ دے کر، دوسرے ملک میں اڈّے بنا بیٹھتا ہے جیسا کہ پہلی خلیج جنگ میں ہوا؛ کبھی اسلامی تہذیب کو چیلنج باور کرا کے مقابل ملک پر دہشت گردی کا بے بنیاد الزام لگا کر، اس ملک میں آن دھمکتا ہے، جیسا کہ افغانستان میں ہوا؛ کبھی پابندیاں عائد کر کے اور کیمیائی ہتھیاروں کی تیاری کا جھوٹا الزام عائد کر کے اس ملک کے تیل کی دولت پر ہاتھ صاف کرنے کے لئے جنگ کو مسلط کر دیتا ہے جیسا کہ عراق میں ہوا؛ کبھی ڈرا دھمکا کر، اور کبھی ۸ ارب ڈالر کا لالچ دے کر، بے گناہوں پر ڈرون حملے کر کے اور دہشت گردوں کو خرید کر ملک میں نظریاتی جنگ مسلط کر کے پوری قوم کو دو حصوں میں بانٹ دیتا اور اس کی خود مختاری پر آئے روز کاری وار کرتا ہے، جیسا کہ پاکستان میں ہو رہا ہے اور کبھی مالی مفادات کے لئے نیٹو کے نام پر کسی آزاد قوم کو سبق سکھانے چل نکلتا ہے، جیسا کہ لیبیا میں ہو رہا ہے۔ امریکہ کی یہ رعونت، تکبر و نخوت، لوٹ کھسوٹ اور منافقت و چالبازی اب ایک ایسی حقیقت بن چکی ہے جس کے لئے دلائل کا طومار باندھنے کی ضرورت نہیں۔ ان حالات میں اُصولاً تو ان ممالک کی سیاسی قیادتوں کو سامنا کر کے قومی و ملّی مفادات کا پورا تحفظ کرنا چاہئے لیکن جب وہ قیادتیں ذاتی کمزوری، مصلحت پسندی، مفاد پرستی یا ایمان فروشی کا شکار ہو کر ملت کے خلاف ظلم میں امریکہ کے ساتھ کھڑی ہو جاتی ہیں تو ایسی صورتحال میں بعض مخلص نوجوان اپنی حکومتوں سے ناراض ہو کر خود امریکہ کے خلاف علم جہاد تھامنے کے سوا کوئی چارہ نہیں پاتے۔ ان مسلم نوجوانوں کے امریکہ کے خلاف یہ اندیشے غلط نہیں کہ امریکہ ان ممالک میں مستقل عسکری اڈّے بنا کر ان کو کنٹرول کرنا اور مالی مفادات حاصل کرنا چاہتا ہے۔ بلکہ حالات نے ثابت کر دیا ہے کہ ہمارے حکمرانوں نے امریکہ کا ساتھ دے کر اُسے اپنے ممالک میں گھسنے کی ناروا اجازت دی ہے جس کا خمیازہ یہ ملک اور ان کے مسلم عوام آج بری طرح بھگت رہے ہیں۔ حکومتوں کی مفاد پرستی اور امریکہ کی دخل اندازیوں اور ظلم و بربریت کے خلاف جب یہ نوجوان خود علم جہاد تھامتے ہیں تو علاقائی مسلم حکومتوں سمیت امریکہ کی قیادت میں عالمی استعمار ان کے خلاف متحد ہو جاتا ہے۔

اُسامہ بن لادن ہو، ایمن ظواہری ہو یا ابو مصعب زرقاوی اور دیگر مخلص نوجوان، یہ تمام وہ

لوگ ہیں جو کفریا امریکہ کے ظلم و ستم کے خلاف میدانِ عمل میں نکلے اور اس کے لئے اُنہوں نے عیش و عشرت اور جاہ و جلال کی زندگی چھوڑ کر اپنا جان و مال سب کچھ اس مشن کی نذر کر دیا۔ یہ لوگ دراصل امریکی ظلم کا ردّ عمل ہیں، جنہیں بعد میں ملت کے دیگر عناصر سے بھی یہ شکوہ پیدا ہوا کہ وہ اُن کے خلوص میں اُن کا ساتھ کیوں نہیں دیتے اور امریکہ کے خلاف جوابی کاروائیوں میں ان کی مدد کیوں نہیں کرتے؟ ایسے نوجوانوں کے فکر و عمل کے تجزیے سے یہ بھی معلوم ہو گا کہ یہ لوگ ملتِ اسلامیہ کی ذلت و ہزیمت پر شکستہ دل ہو کر میدانِ عمل میں آنے پر مجبور ہوئے۔ یاد رہے کہ ان میں دینی علوم سے زیادہ جدید مغربی علوم کو سیکھنے والے نوجوان نمایاں ہیں جنہوں نے امریکہ کی دراندازی ختم کرنے اور اسے کاری وار لگانے کے لئے قرآن وسنت کی بعض ظاہری نصوص کا بھی سہارا لیا۔

امریکہ کی عظیم عسکری قوت اور داخلی حکومتوں کی مخالفت کے علیٰ الرغم، مناسب قوت موجود نہ ہونے کی بنا پر ان نوجوناں کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ اپنے مقابل کو کہیں کہیں نقصان پہنچا سکیں، اس لئے چھاپہ مار کاروائیوں اور دھماکہ خیز کاروائیوں کا راستہ اختیار کیا گیا جس میں اُنہیں شاذ و نادر کامیابی بھی حاصل ہوئی۔ یاد رہے کہ یہ لوگ کسی ایک مقام و مرکز سے پیدا نہیں ہوئے بلکہ ہر ایسا مسلم خطہ جہاں ایسے امریکی مظالم سامنے آئے، وہاں ایسے نوجوان ردعمل اور اس کی تلافی کے طور پر سامنے آتے رہے۔

ان نوجوانوں نے عالمی استعمار کے خلاف مجوزہ ردعمل کو تقویت دینے کے لئے بعض نظریات بھی پیش کئے اور ان کو فروغ دینے کی بھی کوشش کی لیکن اُمت کے معتمد علما اور باشعور عوام میں اُن کا موقف مقبولیت حاصل نہ کر سکا اور ان کے شرعی استدلال کو اکثر و بیشتر ہدفِ تنقید ہی بنایا گیا، اُمت کے غم میں اُٹھنے والے ان درد مندوں نے احتجاج کا جو رویہ اختیار کیا، زمینی طور پر بھی اس کے نتائج مسلم اُمّہ کے حق میں نہ نکلے اور اُن کا یہ کردار عملاً اُمت پر مزید ظلم کا جواز بنتا رہا۔ تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ ان نوجوان مجاہدوں کے موقف کو غلط کہنے والوں کے پاس بھی ایسی المناک صورتحال میں کوئی ایسا حل نہیں تھا جس سے ملت پر ہونے والی اس یلغار کا رخ موڑا جاسکے اور یہ ظلم آج بھی ایک تلخ حقیقت بن کر اُمتِ محمدیہ پر مسلط ہے!

دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ امریکہ جو اس وقت مادی منفعتوں اور سیاسی ضرورتوں کی بنا پر مسلم اُمہ پر حملہ آور ہے، اس نے دنیا کو ان کے خلاف مجتمع کرنے اور اپنے عوام کی تائید حاصل کرنے کے لئے اُن کو ایک عظیم قوت بنا کر پیش کیا۔ صہیونی میڈیا کے بل بوتے پر القاعدہ کی قوت کے قصے بڑھا چڑھا کر پیش کئے جاتے رہے تاکہ امریکہ کو اس کے نتیجے میں مسلم ممالک پر سنگین جارحیت کا جواز حاصل رہے۔ چند کردہ اقدامات کی بنا پر بہت سے ناکردہ گناہ بھی ان کے نام پر ڈال

دیے گئے۔ القاعدہ کے ذمے جو بڑی بڑی کاروائیاں منسوب کی گئیں، ان میں بہت سی ابلاغی مہارتیں استعمال کی گئیں۔ پہلے جھوٹ کو تکرار سے بولنے کی پالیسی پر عمل کیا جاتا تھا، اب جھوٹ کو ہر سمت اور ہر چینل سے دہرانے کی حکمتِ عملی اختیار کی گئی۔ اس واضح جھوٹ کی مثال اُسامہ بن لادن کی حالیہ مبینہ شہادت ہے، جسے ۲؍مئی کی رات کے وقوعے کے طور پر کوئی ذی شعور شخص ماننے کو تیار نہیں، لیکن دنیا بھر کا مین سٹریم میڈیا اس جھوٹ کو اس تکرار سے دہرا رہا ہے کہ لمحہ موجود کی گویا سب سے بڑی حقیقت یہی ہے۔ یہی صورتحال نائن الیون کے حملے کی ہے، جس کا اُسامہ بن لادن نے کبھی اعتراف نہ کیا لیکن امریکہ نے اپنے تحقیقی اداروں کی رپورٹوں کے برعکس اور بے شمار مخالف حقائق کی موجودگی میں اِسے نہ صرف اُسامہ کے سر منڈھ دیا بلکہ کسی عدالتی کاروائی اور اثباتِ جرم کے بغیر اس کو خود ہی شہید بھی کردیا۔ حالانکہ طالبان کی حکومت کا ۱۰ برس قبل بھی یہی مطالبہ تھا کہ ''اگر اُسامہ نے نائن الیون کا دھماکہ کیا ہے تو اس کی دلیل پیش کریں، ہم خود اُسامہ کی حفاظت کی ذمہ داری سے دستبردار ہوجائیں گے۔''

دنیا بھر میں القاعدہ کی قوت کا بے انتہا مصنوعی شور مچایا جاتا رہا۔ امریکہ کی ہی حالیہ رپورٹوں کے مطابق اُسامہ اس کا متحرک قائد تھا، لیکن القاعدہ کی متحرک قیادت: اُسامہ بن لادن کے جہاں کئی سال رہنے کا دعویٰ کیا جاتا ہے، اس گھر کے بجلی کے بل ایک معمولی رہائش سے زیادہ نہیں تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اُسامہ کی ایک کال نے اسے آخرکار شہادت سے ہم کنار کردیا۔ ایسا قائد جو نہ تو کسی سے ملے، نہ ہی اس کے ہیڈ کوارٹر کے کوئی اخراجات ہوں، کسی سے اس کا رابطہ نہ ہو، اور ۱۹۹۷ء سے اس کے گردے کام نہ کررہے ہوں، ہر ہفتے ڈائیلاسز کرائے بغیر چارہ نہ ہو تو پھر اس کی متحرک قیادت اور ایک سپر قوت کے خلاف مؤثر مزاحمت کا کیا معنیٰ ہے، جس شدید مزاحمت کا چند منتشر دھماکوں کے علاوہ دنیا میں کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ دنیا بھر کا میڈیا ان غاروں میں برسہا برس اُسامہ کی موجودگی پر مصر ہے جہاں زندگی کی بنیادی سہولیات بھی موجود نہیں۔ اس صورتحال میں یہ مانے بغیر چارہ نہیں کہ کئی ایک دھماکے جو علاقائی دہشت گردوں نے حکومتوں کو دبانے کے لئے کئے، اُن کی ذمہ داری مغرب کی ہی خبر رساں ایجنسیوں کی زبانی مطلوبہ تنظیم کے نام مشتہر کردی جاتی رہی۔ الغرض امریکہ کی مشہور کردہ 'القاعدہ' خود اسی کی رپورٹوں کی روشنی میں، نہ تو کوئی غیر معمولی تنظیم نظر آتی ہے اور نہ ہی اس کا بڑا ہی خوفناک اور مہلک نیٹ ورک دکھائی دیتا ہے۔ یہ سب کیا دھرا تو اس مین سٹریم میڈیا کا ہے جسے صہیونی ادارے خبروں کی خوراک فراہم کرتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ پنٹاگون میں چند سال قبل عسکری حکمتِ عملی کے ساتھ ساتھ ابلاغی جنگ کے لئے خطیر رقم سے باقاعدہ سنٹر قائم کیا گیا، جس کے ثمرات آج ہمارے سامنے ہیں۔

امریکہ کی نظر میں 'القاعدہ' دراصل ہر اس رویے، جذبے اور کوشش کا نام ہے جو امریکہ کے

جبر و تسلط کے خلاف کسی بھی اسلام پسند کے دل میں پائی جاتی ہے، اور یہ القاعدہ کسی منصف مزاج غیر مسلم کے دل میں بھی پنپ سکتی ہے۔ اس تعبیر کے لحاظ سے القاعدہ واقعتاً ایک عظیم الشان تنظیم ہے، جو امریکہ کے ظلم و ستم کے خلاف ہر شخص کے دل میں انتقام کی آگ کی طرح بھڑک رہی ہے۔ لیکن امریکہ کی یہ خوش قسمتی ہے کہ اس القاعدہ نے ابھی تک کوئی تنظیمی ڈھانچہ اور منظم حکمتِ عملی اختیار نہیں کی۔

اُسامہ بن لادن اور اُن کے ہم نواؤں سے ہمارا شکوہ یہ ہے کہ اُنہوں نے نامساعد حالات کے باوجود امریکہ کو للکارا کیوں؟ اگر اُنہوں نے چند ایک حملے بھی کئے تو اس کے نتیجے میں آخر کار جوابی طور پر مسلمانوں کا ہی زیادہ نقصان ہوا کیونکہ وہ ظالم کو مظلوم ملت پر حملے سے روکنے کی استعداد سے محروم ہیں۔ ہماری اُن سے شکایت یہ ہے کہ اپنی قوم کو تیار کرنے کی بجائے، ردعمل کے طور پر اُنہوں نے جوابی تشدد کا راستہ ہی کیوں اختیار کیا، چاہے انتہائی چھوٹے پیمانے پر ہی کیوں؟ لیکن ہماری ہمدردی کے وہ بہرحال اس بنا پر مستحق ٹھہرتے ہیں کہ اُنہوں نے پر ملت پر ظلم و بربریت کرنے والے جارح امریکہ کے خلاف اپنے عیش و عشرت کی زندگی کو تج دیا، بالخصوص ایک ایسے وقت میں جبکہ ہمارے قومی حکمران ظالموں سے ذاتی مفادات کی سودے بازی میں مشغول تھے۔ یہ درست ہے کہ ان کی اختیار کردہ حکمتِ عملی سے جواباً اہل اسلام پر ظلم میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی بلکہ ظالموں کو مشق ستم کرنے کا مزید موقع ملا، لیکن یہ ان کی حکمتِ عملی اور اندازے کی غلطی تھی جس کا مشاہدہ آج ہم محدود طور پر کرسکتے ہیں، مذکورہ بالا فردِ جرم کی بنا پر ملت کے اِن مدافعین کو اہل اسلام سے غیریت واجنبیت کا اور ظالموں کو محبت واپنائیت کا صلہ ملنا صریح ناانصافی ہے!!

غور و فکر کا مقام ہے کہ کیا مسلم اُمہ اس قدر بانجھ ہوگئی ہے کہ ایک مسلّمہ ظالم کے ظلم کو للکارنے والے کا ساتھ دینے سے عاری ہونے کے بعد، وہ ان کے پرعزیمت کردار سے بھی لازماً اظہارِ برات ہی کرے۔ اگر کسی قوم میں آزادی کے یہ جذبات اور ظلم کے خلاف یہ مجاہدانہ پکار بھی ختم ہوجائے، یا اُسے بھی ختم کرنے کی دعوت دی جائے تو پھر یہ ذلت و رسوائی پر قناعت، دراصل غیرت وحمیت کی موت ہے جو کسی طرح بھی کم مہلک نہیں۔ مظلوم کی یہ پکار تو ظالم کے خلاف اُمید کی ایک کرن ہے جس کا ساتھ دیا جاتا تو توازن کے بعد یہ روشنی کا مینار ثابت ہوتی۔

دوسرا رویہ: حکمرانوں کی تکفیر اور عوامی قتل وغارت

بعض لوگ مسلمانوں کے اِن جہادی خیالات رکھنے والوں کو ملت کا سنگین مسئلہ سمجھتے ہیں لیکن غور کیا جائے تو یہ لوگ اُمت کا اثاثہ اور اس کے ضمیر کی زندگی کا پتہ دیتے ہیں جو اپنے خلاف ہونے والی جارحیت کو قبول کرنے کی بجائے اس کے خلاف ڈٹ جاتے ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو القاعدہ جیسے

خیالات رکھنے والے لوگ ملتِ اسلامیہ میں ۱۹۹۰ء سے پہلے نہیں ملتے۔ جب سے امریکہ نے مسلم ممالک میں مداخلت کا آغاز کیا ہے، تب سے مسلم نوجوانوں کا مزاحمتی گروہ القاعدہ کی صورت میں سامنے آیا ہے۔ ماضی بعید میں بھی مسلمانوں میں یہ جہادی گروہ ہر مسلم خطے میں استعمار کے خلاف نبرد آزمارہے ہیں اور اُنہوں نے سامراج کے قدم روکنے کے لئے قربانیوں کی شاندار داستانیں رقم کیں جن میں برصغیر میں سید احمد شہید، شاہ اسمٰعیل شہید اور جماعت المجاہدین وغیرہ کا نام لیا جاسکتا ہے۔ تاہم ۱۸۹۰ء تا ۱۹۹۰ء کی پوری صدی میں اس نوعیت[1] کی جہادی تنظیمیں اس لئے زیادہ نہیں پائی جاتیں کہ وہ دور اہل کفر کی اسلام کے خلاف کھلم کھلا جارحیت کا نہیں بلکہ ایک طرف مغربی قوتیں آپس میں برسرپیکار تھیں تو دوسری طرف مسلمان ممالک ثقافتی یلغار کا سامنا کررہے تھے۔

پاکستان کی تحریکِ طالبان بھی ایک طرف سرحدی علاقہ جات میں ہونے والی امریکی جارحیت اور ظلم وبربریت کے خاتمے کے لئے وجود میں آئی تو دوسری طرف ۲۰۰۷ء میں لال مسجد کے سانحے کے بعد اس کی سرگرمیوں کا آغاز ہوا۔ طالبان کی مختلف قیادتوں کو دیکھا جائے یا سوات میں جاری مزاحمتی تحریک کو، ہر جگہ قیادت اُن لوگوں نے کی جن کے انتہائی قریبی عزیز ظالم کی گولی سے بے موت مارے گئے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ پاکستانی طالبان میں کارفرما عناصر ہوں یا قبائلی علاقہ جات کے مجاہدین، ہمیشہ سے پاکستان میں موجود رہنے کے بعد کسی نے پرتشدد کاروائیوں کا سہارا نہیں لیا بلکہ جب اُن پر تشدد کیا گیا تو اُنہوں نے جوابی تشدد کو اختیار کیا۔ اُمتِ اسلامیہ یا پاکستان کا اصل مسئلہ پرتشدد عناصر نہیں بلکہ اُن پر ہونے والی پہلی جارحیتیں ہیں اور اس سے جو براہِ راست متاثر ہوتے یا زیادہ حساس اور باغیرت ہوتے ہیں، وہ اُن کے اپنے تئیں تدارک کرنے یا اپنے غم وغصہ کو غلط کرنے کے لئے میدانِ عمل میں نکل آتے ہیں۔

مسلم ممالک میں پائی جانے والی حالیہ دہشت گردی کو دراصل امریکہ غذا فراہم کرتا ہے۔ امریکی عہدیداران آے روز کہتے ہیں کہ ''پاکستان اس وقت دنیا کا خطرناک ترین خطہ ہے جو سب سے زیادہ دہشت گردی کا شکار ہے۔'' لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ دہشت گردی امریکہ کے اس خطے میں آنے کے بعد ہی شروع ہوئی اور امریکی ظلم کے خاتمے کے کچھ عرصے بعد از خود ختم ہوجائے گی۔ افسوس اس حقیقت کو سمجھنے میں اہل پاکستان کے کئی سال صرف ہوئے اور اس میں ہزاروں قیمتی جانیں ضائع ہوئیں۔ ان دونوں سے بڑھ کر اہل پاکستان کے نظریات کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا گیا۔

---

[1] ۶۰ کی دہائی کی عرب اسرائیل جنگ ہو یا ۸۰ کی دہائی کی روس افغان جنگ، ان میں مسلمانوں کا جہادی جذبہ پوری قوم کی مشترکہ مدافعت اور مزاحمت میں جذب ہوگیا، اور ان کے نتیجے میں نجی جہادی تحریکیں قائم نہ ہوئیں۔

امریکی ظلم وستم اور مسلمانوں کے مفاد پرست حکمرانوں کے مقابل بعض مسلم معاشروں میں حالیہ سالوں میں یہ رویہ بھی پروان چڑھتا نظر آتا ہے کہ جب ان ممالک میں امریکہ یا حکومت کی کھلم کھلا جارحیت بڑھتی ہے تو بعض متاثر نوجوان اُس کے مقابلے کی ٹھان لیتے ہیں۔امریکیوں کے خلاف اِقدام کے شرعی جواز کے لئے تو اُنہیں کوئی مشکل پیش نہیں آتی لیکن چونکہ ان کے خلاف یہ امریکی اقدام ان کے اپنے مسلم حکمرانوں کے ہاتھوں ہوتا ہے، اس لئے وہ سامنے نظر آنے والے اِن ہاتھوں سے نبرد آزما ہوجاتے ہیں اور اس کے لئے بعض اوقات اُن کی تکفیر کا سہارا لیتے ہیں۔

نظریۂ تکفیر جس کی رو سے پہلے امریکہ کی حمایت میں اُن پر ظلم ڈھانے والے مسلمانوں کو کافر قرار دیا جاتا اور پھر ان کے خون کو حلال باور کیا جاتا ہے، یہ بھی مظلوم مسلمانوں کا جوابی ردعمل ہے اور اُسے بھی درست نہیں کہا جاسکتا۔ پاکستان میں تحریکِ طالبان وغیرہ جہاں اپنے غم وغصہ کے لئے براہِ راست اپنے مقابل: افواجِ پاکستان اور ان کے مؤید عوام کو اپنا دشمن تصور کرتی ہیں، وہاں اس سلسلے میں اُن کو نظریاتی تائید نظریۂ تکفیر سے ملتی ہے۔ مسلم ممالک میں داخلی دہشت گردی کے جواز کے لئے متعارف ہونیوالا نظریۂ تکفیر دراصل القاعدہ یا طالبان تحریکوں کی نظریاتی اساس ہے اور اس کا وجود بھی دراصل شدید جارحیت کا نتیجہ ہے یعنی یہ رویہ بھی ردعمل کا شاخسانہ ہے۔

یاد رہے کہ ہر ایسی دینی تحریک جسے کسی جارح کے براہِ راست مصائب اور آزمائشوں سے پالا نہ پڑا ہو اور اس کے پاس معاشرے میں مثبت کام کرنے کے ذرائع موجود ہوں، وہ تکفیر کے نظریے میں پناہ حاصل نہیں کرتی۔ بطورِ مثال پاکستان کی جماعتِ اسلامی یا جماعۃ الدعوۃ کا نام لیا جاسکتا ہے۔ اوّل الذکر واضح سیاسی اہداف اور نظریات رکھنے اور ثانی الذکر ایک معروف جہادی تنظیم سے تعلق ہونے کے باوجود، چونکہ سیاسی سرگرمی یا فلاحی خدمات میں مشغول ہے اور اُنہیں ابھی تک الحمد للہ کھلی جارحیت کا شکار نہیں ہونا پڑا، اس لئے دونوں کے ہاں تکفیری نظریہ کا کوئی وجود نہیں ہے۔ جبکہ دوسری طرف وہ جماعتیں جو حکومتوں کا نشانہ اور تختۂ مشق رہی ہیں مثلاً اخوان المسلمون سے نکلنے والی 'جماعت التکفیر والہجرۃ' یا القاعدہ اور پاکستانی طالبان وغیرہ تو یہ تکفیری نظریات پر یقین رکھتے ہیں۔اس لئے تکفیر بھی تفجیر (بم دھماکوں) کی طرح ناراض گروہوں کا نظریاتی ردّعمل ہی ہے۔ یہ رویے نہ صرف کم علمی سے جنم لیتے ہیں بلکہ کسی سنگین معاملے کو ظاہری نظر سے دیکھنے کا نتیجہ ہیں۔

یہاں تحریکِ طالبان پاکستان کے غلط موقف کے ساتھ حکومتِ پاکستان کا ظالمانہ کردار بیان کرنا بھی ضروری ہے جس نے نہ صرف اپنے حقیقی دشمن کو پہچاننے میں غلطی کی بلکہ اس کو ملک میں اس حد تک اندر آنے کا موقع دیا کہ آج وہ دشمن اندر بیٹھ کر ہم پر وار کررہا ہے۔ پاکستانی حکومت نے اپنی رعایا کی حفاظت کے کردار سے مجرمانہ غفلت کی اور آئے روز ہونے والے ڈرون حملوں کے معصوم شکاروں کے خون سے مجرمانہ چشم پوشی کی۔ اس حکومت نے مجاہدین کو امریکہ کے ہاتھوں

فروخت کیا اور یہاں کے حکمرانوں نے امریکہ کی سیاسی آشیر باد حاصل کرنے کے لئے عین حکومت کے مرکز میں دین کی معصوم طالبات کو خاک وخون میں نہلا دیا۔ اُنہوں نے قبائلیوں سے ہونے والے معاہدوں کی خلاف ورزی کی اور اپنے ملک کے مظلوم باشندوں کو انصاف نہ دینے کی بجائے امریکہ کی نظر سے دیکھ کر اُن سے کھلم کھلا جنگ مول لی۔ وہ لوگ جو پاکستان کے بازوئے شمشیر زن اور دفاع کرنے والے تھے، ان کو ملک کا غدار بنانے میں کوئی کمی نہ چھوڑی۔ حکومت کے ذمہ داران نے امریکی زبان بولی اور پاکستان کے دفاع اور تحفظ سے بھی مجرمانہ تغافل برتا۔ آج نظریاتی کشمکش کے دس سال گزار لینے کے بعد ہمیں معلوم ہو رہا ہے کہ اصل دشمن طالبان نہیں بلکہ امریکہ ہے جو کھلم کھلا غنڈہ گردی کرتا اور ہماری خود مختاری کو پامال کرتا ہے۔ آج بھی حکومت کے بس میں ہوتا تو اس کو طالبان کے کھاتے ڈال دیا جاتا جیسا کہ ۲ مئی کو ہونے والے اُسامہ بن لادن کی شہادت کے واقعے کے چند ہی دنوں بعد شبِ قدر میں ۸۰ پاکستانی نوجوانوں کو امریکی ایجنڈے پر شہید کر کے، پاکستان کی بھولی قوم کو اپنا اصل دشمن یعنی پاکستانی طالبان کو یاد کرانے اور باہم منتشر کرنے کی دوبارہ مذموم سعی کی گئی ہے۔ پھر وزیر داخلہ نے مہران ایئر بیس پر حملے کو بھی امریکہ کی بولی بول کر پاکستانی طالبان کے کھاتے ڈال دیا ہے لیکن منصفانہ تحقیق یہ ثابت کرے گی کہ پاکستان پر اس قدر حساس اور گہرا وار شیطانی اتحادِ ثلاثہ بالخصوص بھارت کے بغیر انجام نہیں پا سکتا۔

اندرونِ ملک پائی جانے والے اس انتشار اور ظلم وستم کے خلاف تحریکِ طالبان کا جوابی ردعمل گو کہ ایک معنویت رکھتا ہے اور متاثرہ انسان سے حکمت ودانائی کی توقع کرنا بھی فضول ہے۔ اس بات سے بھی انکار نہیں کہ ان متاثرہ طالبان نے بعض مقامات پر جوابی کاروائیاں کی ہوں گی، لیکن گذشتہ تین برس کی اکثر وبیشتر کاروائیاں، طالبان کے پردے میں ان غیر ملکی ایجنسیوں کی کارگزاری ہے جو وہ اپنے مقاصد کے لئے ملک بھر میں آئے روز کر رہی ہیں۔ طالبان کی چند ایک کاروائیوں کی گہرائی میں اُترا جائے تو درپردہ ان ایجنسیوں کی ملی بھگت، منصوبہ بندی اور طالبانی نوجوانوں کو ورغلانے کی مذموم کوششیں اس میں لازماً شامل ہوں گی۔ کیونکہ اگر طالبان نے خالصتاً یہ حملے کئے ہوتے تو ان کا شکار اپنی قوم کے عوامی مقامات اور مساجد کی بجائے نیٹو کے ٹینکر، امریکی اڈّے اور امریکی اہل کار ہوتے۔ ہماری حکومت کو مفادات کی بندر بانٹ، اور امریکہ نوازی کے بعد اتنی فرصت نہیں کہ وہ افغانستان میں سرگرم درجنوں بھارتی قونصل خانوں اور امریکہ کے سیکڑوں ایجنٹوں کی چلت پھرت پر نظر رکھے۔ ہماری ایجنسیاں، پولیس اور قانون نافذ کرنے والے دیگر ادارے ایوان ہائے سیاست کے مکینوں کی حفاظت ونگرانی اور محلاتی سازشوں میں ہی مگن رہتے ہیں اور اُنہوں نے دشمن کو کھل کھیلنے کی پوری اجازت دی ہوئی ہے۔

مذکورہ بالا دونوں رویے: تشدد اور تکفیر قومی اور بین الاقوامی سطح پر دراصل ظلم کے خلاف

مظلوم کے رد عمل کا شاخسانہ ہیں۔ اُن کی حمایت نہیں کی جاسکتی اور اُنہیں اسلامی بھی قرار نہیں دیا جاسکتا لیکن ان کی معنویت صاف نظر آرہی ہے۔ ظلم موجود ہے لیکن ظلم کا تدارک نہیں ہو رہا۔ مظلوموں اور حساس لوگوں میں بے چینی اور محرومی اپنا اثر دکھارہی ہے۔ ان کے منہج اور طریقہ کار کو درست قرار نہیں دیا جاسکتا لیکن ظلم کو قبول کرنا اور بے غیرتی یا دھوکہ کا شکار ہو جانا بھی درست نہیں۔ ظلم کا جواب دیا جائے اور ظالموں کو اپنے انجام تک پہنچایا جائے، یہ ہماری حکومتوں کا فریضہ تھا جس سے اُنہوں نے مجرمانہ غفلت برتی ہے۔ اسی پر اکتفا نہیں بلکہ ظالم قوتوں سے مفادات کی ساز باز کر کے، ہماری حکومتیں خود ظالموں کے ساتھ کھڑی نظر آتی ہیں۔

ان نوجوانوں کے رویے میں پائی جانے والی متشددانہ کوتاہی کا کفریہ قوتوں نے بری طرح استحصال کیا ہے اور اس طرح بسا اوقات اُنہیں اپنے مذموم مقاصد کے لئے استعمال کیا ہے اور اکثر اوقات بہت سے ناکردہ گناہ ان کے ذمے ڈال دیے ہیں۔ اس غم و غصہ کے خاتمے کی ایک سنجیدہ اور بامقصد کوشش طالبان قیادت کی طرف سے تکرار کے ساتھ سامنے آئی ہے کہ ان ممالک میں جہاں کھلم کھلا امریکہ اور نیٹو کے ساتھ جنگ جاری ہے، ایسے مجاہد عناصر وہاں پہنچ کر اسلامی جہاد کا ساتھ دیں اور اپنے آپ کو پرامن مقامات پر دھماکے اور مسلم شہروں میں فتنہ کی جنگ سے بچائیں۔ باخبر لوگ جانتے ہیں کہ اسی پالیسی اور دانش مندانہ حکمتِ عملی کا نتیجہ ہے کہ پاکستان میں داخلی جنگ ختم ہو کر اکثر جہادی عناصر کفر سے آمنے سامنے برسرپیکار ہونے کے لئے جہادی محاذوں پر چلے گئے اور اس کے نتیجے میں کفر کو ان محاذوں پر ہزیمت اُٹھانی پڑ رہی ہے۔ عراق وافغان کے دونوں کھلے جہادی محاذوں پر امریکہ شکست کے زخم چاٹنے پر مجبور ہے اور اُس کی پوری کوشش یہ ہے کہ یہ جنگ اس کی بجائے، حکمرانوں کو اس کی رشوت کے ذریعے، مسلم علاقوں میں مسلمانوں کے مابین لڑائی جائے اور دونوں طرف مسلمانوں کا ہی خون بہے۔

امریکہ پاکستان کو شمالی وزیرستان میں جنگ بڑھانے پر زور دے رہا ہے، اس حقانی گروپ کو ختم کرنے پر زور ڈال رہا ہے جس نے ہمیشہ پاکستان کا ساتھ دیا ہے۔ اس طرح امریکی وزیر خارجہ ہیلری پاکستان کو اپنی جنگ جیتنے کی ذمہ داری اس چالبازی سے تفویض کر رہی ہے کہ ''افغانستان کا امن (یعنی امریکہ کا وہاں قبضہ) پاکستان کی وزیرستان میں کاروائی کے بغیر ممکن نہیں۔'' امریکہ پاکستانی طالبان کو بزورِ بازو ختم کرنے پر دباؤ ڈالتا ہے اور خود افغانستان میں افغانی طالبان سے معاہدوں میں کوشاں ہے۔ کئی برس قوم کو خانہ جنگی میں مبتلا کر کے، ہماری فوج اور مقتدرہ کو بھی امریکہ کی چال بازی آخر کار سمجھ میں آگئی ہے اور وہ ملک میں ایسے مزید اقدام، جسے پہلے پاک فوج کی سوات میں کامیابی سے تعبیر کیا جارہا تھا، سے جان بچانے کی کوششیں کر رہی ہے۔

حالیہ ایبٹ آباد آپریشن کے بعد امریکہ کا پاکستان کی امداد جاری رکھنے کا دراصل مطلب یہ ہے

کہ پاکستان میں امریکہ کے پالیسی سازوں کے مطابق ابھی تک کافی دم خم موجود ہے اور وہ ابھی امریکہ کے لئے ترنوالہ نہیں بنا۔ جب تک وہ پوری طرح امریکہ کیلئے ہموار نہیں ہو جائے گا، اس وقت تک امداد کی زہر کا ٹیکہ جاری رکھ کر اس ایٹمی قوت کی ہلاکت کا سفر جاری رکھا جائے گا۔ جبکہ امریکی امداد پر ہونے والے کانگرسی بحث مباحثہ کا مقصد یہ ہے کہ اسی امداد سے کچھ مزید حاصل کیا جائے اور ہمارے بے حمیت حکمرانوں نے اسی امداد کے لالچ میں یہ وعدہ کرلیا ہے کہ اسطرح کے آئندہ آپریشن امریکہ اور پاکستان مل کر کریں گے، یعنی پاکستان کو اطلاع دے دی جائے گی۔ یہ ہے وہ بے غیرتی اور سودے بازی جو بعض نادان مخلصوں کو میدانِ عمل میں کود جانے پر مجبور کرتی ہے۔

یاد رہے کہ امریکہ ہمارے بے حمیت اور کمزور حکمرانوں کا پیچھا اس وقت تک نہیں چھوڑے گا جب تک وہ معاذ اللہ کامیابی کی کسی بڑی منزل تک نہیں پہنچ جاتا۔ حکمرانوں کے یہ مزید معاہدے اس بات کی دلیل ہیں کہ اہل پاکستان کو ابھی مزید سنگین آزمائشوں کا سامنا کرنا ہے!

تیسرا رویہ: اپنی دنیا میں مست رہو!

اوپر ایک عالمی منظر نامے کو پیش کرنے کے بعد القاعدہ اور طالبان کے علاوہ پاکستانی حکمرانوں کے رویوں کے بارے ایک تجزیہ پیش کیا گیا ہے، جو اب کوئی گہری حقیقت ہونے کے بجائے ایسا نوشتہ دیوار بن چکا ہے جسے ہر باشعور پڑھ سکتا ہے۔ موجودہ صورتحال میں، جب دنیا کی ایک سپر قوت اسلام اور اہل اسلام کے خلاف اپنی قوت استعمال کررہی ہے، ایک تیسرا رویہ عام مسلمانوں کا بھی ہے جو سب سے سنگین ہے، لیکن افسوس کہ اُنہیں اس کا معمولی سا احساس بھی نہیں۔ کفر اُن سے برسرپیکار ہے اور کفر کو ملتِ اسلامیہ کے اثاثے چاہے مالی ہوں، نظریاتی ہوں یا عسکری، ایک آنکھ نہیں بھاتے۔ یہ تمام کوششیں کفر کی اسی مقصد کے لئے ہیں کہ اہل اسلام کے مال سے اپنی عیاشیاں جاری رکھ سکے اور اُن کو مستقبل کے مغربی مفادات کے تحفظ کے لئے آج اپنے پاؤں پر کھڑا نہ ہونے دے۔ اس کے لئے امریکہ اور صہیونی میڈیا نے عام مسلمانوں کو یہ مغالطہ دیا ہوا ہے کہ وہ اور امریکہ جنگ میں ایک سمت ہیں، وہ عالمی سچائی کے متلاشی ہیں اور مجاہدین یا امریکہ کے خلاف برسرپیکار لوگ دراصل انتہاپسند اور دہشت گرد ہیں۔ ان دہشت گردوں کے خاتمے کے ساتھ دنیا امریکہ اور اِن مسلمانوں کے لئے پرسکون ہو جائے گی۔ ہمارے بھولے مسلمان اس مغالطے میں بری طرح غرق ہیں اور اُنہیں دنیا کو عیش و عشرت سے گزارنے کے اسباب میں اس طرح مگن کردیا گیا ہے کہ وہ اس عسکری منظر نامے سے پوری طرح غافل ہوکر اپنے آپ میں مست ہیں۔ کبھی کبھار منہ اُٹھا کر شور شرابہ کرنے والوں کو کچھ کہہ لیتے ہیں۔ امریکہ کو تو کچھ کہہ نہیں سکتے، سو چاروناچار مجاہدین کو ہی برا بھلا کہتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اُسامہ کو شہید کہنے میں شرم

آتی اور طالبان کو اسلام دشمن قرار دیتے نہیں تھکتے۔

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں ہر ایک کے لئے کھلی دلیلیں مہیا کر دی ہیں، اب چاہے تو ان پر غور کرے اور چاہے تو اپنے آپ میں مگن رہے۔ لاہور میں جب ریمنڈ ڈیوس نے پاکستانیوں کو گولی ماری اور امریکیوں نے اپنی رعونت کا برملا اظہار کیا، تو اِس سے امریکیوں کا عام پاکستانیوں کے بارے میں حقارت آمیز رویہ ہمارے سامنے آیا، جب امریکی جج نے عافیہ صدیقی کے خلاف تعصب سے بھرپور فیصلہ دیا تو اُس سے ہمیں اپنی حیثیت کا علم ہوا۔ جب عراق ولیبیا پر امریکہ نے کھلی ہلاکت مسلط کی تو وہاں ہمارے بزعم خود 'مہذب' پاکستانیوں جیسے بہت سے شہری تھے لیکن امریکہ نے اُن میں کسی سے کوئی رعایت نہ کی۔ جب اُسامہ بن لادن کے ایبٹ آباد میں شہید ہونے کا ڈرامہ رچایا گیا تو امریکی عوام نے پاکستانی عوام کے خلاف زہریلے جذبات کا اظہار کیا، تو اس میں تمام پاکستانی اُن کا نشانہ تھے۔ جب پاکستانیوں سے مغرب وامریکہ کے ائیرپورٹ پر ہتک آمیز سلوک کیا جاتا ہے تو اس میں راسخ العقیدہ پاکستانی اور عام پاکستانی میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا۔ جب مغرب کے قلب میں متوقع اسلامی ریاست بوسنیا کے مسلمانوں کو کوسووا کے جارح اور متعصب عیسائیوں نے اپنی جارحیت کا نشانہ بنایا تو ان مظالم کا شکار بلا امتیاز سب کو بنایا گیا، بلکہ ان میں اکثریت بے عمل اور عام مسلمانوں کی تھی۔ جسے اقوامِ مغرب کے مسلمانوں کے خلاف تعصب میں کوئی شبہ ہو تو وہ بوسنیا کے مہذب مسلمانوں پر ہونے والے انسانیت سوز مظالم کو ایک جھلک پڑھ لے جس پر اُردو میں کئی کتب ترجمہ ہو چکی ہیں۔

اسلام دنیا میں کسی کو گوارا نہیں، فرانس میں حجاب ونقاب کے خلاف جو تعصب برتا گیا کہ عیسائی نن کو سر ڈھانپنے کی اجازت لیکن مسلمان عورت کا سر ڈھانپنا ان کو دہشت گردی محسوس ہوتا ہے۔ کفر کو مسلمانوں کا قرآنِ کریم اور ان کے نبی رحمۃ للعالمین ﷺ جو واقعتاً محسن انسانیت ہیں، لمحہ بھر کو گوارا نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ بھی مغرب کے چند سر پھرے جنونیوں کا رویہ ہے لیکن مغرب میں قرآن کو نذرِ آتش کرنے یا نبی کریم کے مزاحیہ اور تہمت آمیز خاکے بنانے جیسے مکروہ جرائم کرنے والے اپنے عوام کی جس تائید سے محظوظ ہوئے ہیں اور اُن کو عدالتوں سے جو مضحکہ خیز سزائیں ملی ہیں، اس سے اُن قوموں کے اجتماعی ضمیر کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔

دراصل امریکہ نے عالم اسلام کے خلاف اپنی مفاداتی جنگ کو سندِ جواز دینے کے لئے اسلام کے خلاف صہیونی میڈیا کے بل بوتے پر گذشتہ برسوں میں اتنا غیض وغضب پیدا کر دیا ہے، جس نے ملتِ اسلامیہ کے خلاف عام مغربی انسان کو بھی متحد ویکسو کر دیا ہے۔ اب دنیا پر سکون دنیا نہیں رہی بلکہ ایک دوسرے کے خلاف کینہ اور غصہ سے بھری پڑی ہے، جس کا سامنا آئے روز اُمتِ اسلامیہ کر رہی ہے۔ ان حالات میں ہمارے میڈیا کا عام مسلمانوں کو یہ باور کرانا کہ دنیا دراصل امن

وامان کی جگہ ہے اور یہ جنگ چند ایک جنونی کررہے ہیں، ایک مغالطہ آرائی سے زیادہ نہیں۔ امریکہ کی مسلمانوں کے خلاف منظّم جارحیت اور منصوبہ بندی نے میڈیا کے بل بوتے پر اس جنگ اور نفرت کو پوری دنیامیں پھیلا دیا ہے۔

ممکن ہے کہ یہ سوال کسی معصوم کے ذہن میں پیدا ہوا کہ امریکہ کو عام مسلمانوں سے تکلیف کیاہے، اگر وہ مغربی رنگ میں رنگ کر اسلام کو خیر باد کہہ دیں تواُن کی دشمنی ختم۔ امریکہ کی ساری مخالفت تو جہادی، متشدد اور راسخ العقیدہ مسلمانوں سے ہے۔ لیکن بات اتنی سیدھی نہیں ہے جیسا کہ ہم شروع میں عرض کر چکے ہیں کہ ۱۹۹۰ء کے بعد جاری ہونے والے نیو ورلڈ آرڈر کا پس منظر امریکی فوج، ایجنسیوں اور امریکی قوم کی توجہات کو کسی مفروضہ دشمن کی طرف متوجہ رکھنا اور وسائل کی لوٹ مار کر کے اپنے لئے اسبابِ تعیش جمع کرنا وغیرہ ہیں۔ وسائل اور مفادات کی لوٹ کھسوٹ کے لئے دنیا کی بڑی قوتوں کی یہ باہمی جنگ مذہب سے بالاتر ہو کر پہلے بھی جنگِ عظیم اوّل ودوم میں انسانیت کا سب سے بڑا قتل عام کر چکی ہے اور پھر روس امریکہ کی سرد جنگ کی شکل میں دہائیوں جاری رہی ہے جہاں یہ جنگ نظریات کے بجائے دنیوی مفادات کے لئے لڑی جاتی رہی ہے۔ اپنی نظریاتی قوت سے قطع نظر عظیم ملتِ اسلامیہ ہی زمینی طور پر وہ حقیقی قوت اور وسائل رکھتی ہے جو مستقبل میں عالمی کفر کے لئے شدید خطرہ بن سکتے ہیں، اگر اس کا راستہ آج نہ روکا گیا۔ اسلام اور اہل اسلام کی یہی قوت فرانس، برطانیہ اور جرمنی کو بھی اسلام کو روکنے کے اقدامات پر مجبور کرتی ہے۔ اس لحاظ سے اہل اسلام کی قوت اور تموّل اسلام کی نظریاتی قوت سے بڑھ کر بھی ایک زمینی حقیقت ہے!!

مغرب کے ان زمینی مفادات کے حصول میں نظریۂ اسلام نہ صرف بری طرح رکاوٹ بن رہا ہے بلکہ مستقبل میں بھی یہی نظریہ ملت کے اتحاد واشتراک کی بنیاد ثابت ہو گا، اس لئے ملت کے ہراول دستہ کے طور پر ملت کے نظریاتی محافظوں سے عالمی استعمار کا فوری مقابلہ درپیش ہے، جنہیں متشدد مسلمان باور کرا کے، عام مسلمانوں سے علیحدہ کیا جارہا ہے۔ اسلام پر عمل پیرا اور دین کے خادم یہ مسلمان ملت کی فرنٹ لائن ہیں جس کو منتشر کر دینے کے بعد ملتِ اسلامیہ کے اموال کی لوٹ کھسوٹ کے لئے عام کاروباری اور دنیامیں غرق مسلمان آخر کار ترنوالہ ثابت ہوں گے۔ دنیوی مفادات میں عام مسلمانوں کا زیادہ حصہ ہونے کی وجہ سے اس جنگ کے اصل اور آخری متاثر تمام مسلمان ہوں گے۔ اس بنا پر کفر کی یہ جنگ دراصل مفادات کی جنگ ہے، جس کی راہ میں اس ملت کے نظریاتی محافظوں سے پہلے نمٹا جارہا ہے۔ غور کیجئے کہ افغانستان توراسخ العقیدہ مسلمانوں کا مرکز ہے، مان لیا کہ سعودی عرب اور پاکستان بھی اسلامی قوت کے نظریاتی وعسکری مراکز ہیں، لیکن عراق ولیبیا میں کونسے نامور باعمل مسلمان بستے ہیں اور وہ کونسا غیر معمولی مسلم تشخص رکھتے

ہیں کہ ان کی اینٹ سے اینٹ بجائی جانا ضروری تھا۔ ان دونوں ممالک پر حملہ کی اصل وجہ ان کے اموال پر تسلط جمانا ہے جس کا شکار راسخ مسلمانوں کے بعد وہاں کے عامّۃ المسلمین بھی بنے ہیں۔

نامعلوم ایسا کیوں ہے اور ہم اپنے آپ کو طفل تسلیاں کیوں دیتے ہیں۔ جب امریکہ اور اس کے حواری تمام پاکستانیوں کو دہشت گرد قرار دیتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ یہ الزام حقیقت نہیں کیونکہ ہم تو دہشت گرد نہیں۔ تاہم جب امریکہ، طالبان یا القاعدہ کو دہشت گرد کہتا ہے تو اس کی زبانی اس جھوٹ پر ہم ایمان لے آتے ہیں کہ ہاں ہاں یہ بالکل دہشت گرد ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ وہ تو دہشت گردانہ کاروائیاں کرتے ہیں، اس لئے ان پر الزام لگتا ہے، لیکن عالمی دہشت گرد امریکہ کی نظر میں حقیقی دہشت گردی امریکی مفادات کی راہ میں رکاوٹ بننا ہے، اور اس لحاظ سے ہم سب امریکی مفادات کے بالمقابل ہیں۔ جس طرح اپنے بارے میں ہمیں یہ الزام لگتا ہے اور ہم اپنے آپ کو مغالطہ دے کر مطمئن ہو بیٹھتے ہیں، تو یہی دراصل ہمیں آپس میں لڑانے کی سازش ہے۔ دراصل یہ کرشمہ ہے اس نظریاتی اور ابلاغی کشمکش کا کہ ایک جھوٹے نے ہمیں آپس میں بانٹ رکھا ہے۔ آج افواجِ پاکستان اس امریکی جھوٹ کو جان کر اندرونِ ملک مزید پیش قدمی نہیں کر رہیں کیونکہ وہ اس الزام کے کھوکھلے پن اور امریکی چالبازی کو سمجھ چکی ہیں تو اس نظریاتی کشمکش کو بھی ہمیں سمجھنا اور ردّ کرنا ہوگا جس نے ہمیں نظریاتی طور پر تقسیم کر دیا ہے۔

امریکہ کے مغالطے کھاتے کھاتے ہم مغالطوں کے ہی عادی ہو گئے ہیں۔ افغانستان میں روس آیا تو ہم نے پاکستان کے دفاع کی جنگ لڑی اور آخر کار اُس کو مار بھگایا اور اب افغانستان میں امریکہ آیا اور اس نے ہمیں اتحادی کہہ کر مغالطہ دیا تو اس پر ہم یقین کر بیٹھے اور 'سب سے پہلے پاکستان' کے مغالطہ آمیز نعرے اور اتحاد اتحاد میں پوری قوم کو ہلاکت اور نظریاتی موت کے سپرد کر دیا۔

جب کہا جاتا ہے کہ آئی ایس آئی پر تنقید نہ کرو تو تمام صحافی اس کے پرجوش مبلغ بن جاتے ہیں کہ ہم اور ہماری فوج میں اگر دوری پیدا ہو گئی تو پھر ہماری لئے جان کون دے گا اور امریکہ آئی ایس آئی کو ہماری تنقید کے بعد تباہ کر کے رکھ دے گا۔ یہ بات ایک حد تک درست ہے کہ ایبٹ آباد آپریشن آئی ایس آئی کی ناکامی نہیں بلکہ سی آئی ڈی اور آئی بی جیسی ایجنسیوں کی بھی کوتاہی کا نتیجہ ہے، اور آئی ایس آئی پر کڑی تنقید اس کو کھوکھلا کر دے گی لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ پاکستان ایک نظریاتی ریاست ہے اور اس کی نظریاتی قوت اسلامی تعلیمات میں پوشیدہ ہے۔ اسلام پر سالہا سال تنقید ہوتی رہی، کبھی اسلام کو روشن خیال بنایا گیا اور کبھی مغرب نواز، کبھی اہل دین کو دہشت گرد بتایا گیا اور مجاہدین کو وطن دشمن۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پاکستان کے نظریات کو کھوکھلا کر دینے اور پاکستان کے دینی عنصر کو دشمن باور کرانے سے ہم کیا اپنے وطن اور ایمان کا دفاع مضبوط کرتے رہے۔ ملت اسلامیہ ایک نظریاتی تشخص کا نام ہے، اور یہ نظریاتی تشخص ہمارے نظریاتی قائدین پر

اعتماد کے بغیر مستحکم اور قوی نہیں ہو گا۔ پاکستان کا تحفظ ماضی کی طرح مستقبل میں بھی اہل ایمان ہی کریں گے، لیکن مسلمانوں میں باہمی اعتماد کا رشتہ ہی ختم ہو گیا تو ہمیں دشمن کے مقابل سیسہ پلائی دیوار کون بنائے گا؟ آج ہماری نظریاتی کمزوری کا یہ عالم ہے اور ہمیں ایک دروغ گو کی باتوں پر اتنا یقین ہے یا اُس کا اتنا ڈر مسلط ہو گیا ہے کہ ہم اسامہ بن لادن کو شہید کہنے سے گھبراتے ہیں۔ دنیا کے مسلمہ ظلم اور کفر کے ہاتھوں شہید ہونے والے کی سعادت میں کیا شبہ ہے کہ وہ شہید نہیں۔ اگر ہم حق کو پہچاننے کی صلاحیت سے محروم ہیں تو کم از کم باطل کے تیروں کے رخ سے ہی ہمیں اہل حق کا پتہ چل جانا چاہئے۔

اُمتِ اسلامیہ دشمن کے حملوں اور سازشوں کے نرغے میں ہے، اور ہم روز وشب کی مصروفیتوں میں اُلجھے ہوئے، اس معرکہ خیر وشر سے لاتعلق بنے بیٹھے ہیں۔ اُمتِ اسلامیہ میں پایا جانے والا یہ تیسرا رویہ دراصل اسامہ بن لادن یا طالبان کو پیدا کرنے کا حقیقی سبب ہے۔ جب ظلم موجود ہو اور ظلم کا ہاتھ روکنے والے اس کی بجائے خود مغالطوں کا شکار ہو کر اپنی دنیا کمانے اور ظلم کو اپنے قریب پہنچ جانے کی مہلت دینے کے منتظر ہوں، تو تب ہی مجاہدین کمزوری محسوس کرکے کوئی انتہاپسندانہ اقدام کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اور ان غیور مجاہدین کو ان کی کمزوری اور ان کی قوم کے ساتھ نہ دینے کے سبب، جب ظالم اور کافر ہلاک کر دیتا اور اسے 'دہشت گرد' قرار دے دیتا ہے تو یہ غافل مسلمان بھی اس کو دہشت گرد قرار دے کر اپنے تئیں محفوظ خیال کرتے ہیں اور اس وقت کا انتظار کرتے ہیں جب اُن پر بھی ظلم کیا جائے گا اور جب یہ اکیلے جواب یا دفاع کریں گے تو اُنہیں بھی 'دہشت گرد' قرار دے کر باقی دنیا چین کی نیند سو جائے گی۔ موجودہ دور کا سب سے بڑا المیہ مسلمانوں کا نظریاتی طور پر مغالطوں اور مغلوبیت کا شکار ہونا اور خوابِ غفلت کی نیند سو جانا ہے۔ ہمیں اس حساس موقع پر اپنے مؤثر کردار کی جستجو کرنا چاہئے، جو آخر کار ملتوں کی اس جنگ میں ہمیں ذلت و ہزیمت سے بچالے۔

اس کے لئے یہ لازمی نہیں کہ امریکی ظلم وستم کے بالمقابل لازماً بھڑ ہی جایا جائے، کیونکہ جہاد و قتال کے لئے موزوں اور مناسب حکمتِ عملی اختیار کرکے ہی مطلوبہ نتائج نکل سکتے ہیں، تاہم یہ ضروری ہے کہ ملت کو درپیش اس المیہ کی نوعیت کو پوری طرح ذہن نشین کر لیا جائے، اور اپنے ذمہ عائد ہونے والے فرض کو ادا کرنے کی جستجو میں صلاحیتیں کھپا دی جائیں۔ کم از کم اتنا ضرور ہو کہ ہم دوست دشمن کو پہچان سکیں، اور اپنے اوپر ظلم اور جارحیت کرنے والی طاقتوں کو اپنا سمجھنے کے مغالطے میں مبتلا نہ ہوں۔ یہ کسی قوم کے فکری زوال اور محکومی و مرعوبیت کی انتہا ہے!!

جب ہمارے عوام الناس اِن تلخ حقائق پر غور نہیں کرتے تو پھر یہی اپنے ووٹوں سے ایسے

حکمران ہم پر بارِ دگر مسلط کر دیتے ہیں جو پہلوں سے زیادہ ظالم، عوام کے لئے سفاک اور دین کے لئے باعثِ شرم ہوتے ہیں۔ بعض اوقات شدید حیرانگی ہوتی ہے کہ امریکہ کے اہل پاکستان اور ملتِ اسلامیہ پر اس قدر سنگین جرائم کے باوجود ابھی بھی مسلمانوں میں ایسی تعداد موجود نظر آتی ہے جو امریکہ کے لئے ہمدردانہ جذبات رکھتی ہے۔ وطن پر کسی کاری وار کے بعد چند روز کے لئے ان کے مغالطے عارضی دور ہوتے ہیں لیکن پھر یہی مغربی تہذیب کا والہانہ پن ان کو گھیرے میں لے لیتا ہے اور وہ کسی نہ کسی بہانے کی تلاش میں رہتے ہیں کہ انکا استعمار کے بارے میں یہ حسن ظن کسی طرح بحال ہو جائے۔ کیا ریمنڈ ڈیوس اور ایبٹ آباد آپریشن کے بعد اور صدر امریکہ کے بار بار یہ مکروہ عزم دہرانے سے کہ وہ پھر پاکستان کی داخلی سلامتی کی پرواہ کئے بغیر فوجی کاروائی کرنے کا حق محفوظ رکھتے ہیں، ہم پر امریکہ کا حقیقی چہرہ واضح نہیں ہو چکا۔ لیکن اسکے باوجود شبِ قدر حملہ ہو یا مہران ائیر بیس پر حملے، ہمیں عالمی ایجنسیاں یہ دھماکے طالبان کے نام پر لگا کر مغالطہ دینے پر کمر بند ہیں۔

مسلمانوں میں یہی تین رویے ہی نہیں بلکہ اصلاح پسند، قوم وملت کے دردمند اور تعمیری رویوں میں دن رات مصروف ومشغول افراد اور جماعتیں بھی بڑی تعداد میں پائی جاتی ہیں اور انہی کی بدولت اسلام اور اہل اسلام کا بھرم قائم ہے۔ ان پر آشوب حالات میں وہ خون کے آنسو روتے اور اپنے جان ومال سے اسکے خاتمے کی ہر جہد وسعی کو بروے کار لاتے ہیں۔ لیکن سر دست اس سارے منظر نامے میں فوری طور پر نمایاں نہ ہونے کے سبب انکے تذکرے سے ہم صرفِ نظر کرتے ہیں۔

مسلمانوں میں 'فکری سرطان اور امریکی مرعوبیت' کے شکار اُن کے ہم نوا اُمت کے لئے زہر مہلک ہیں جو معصوموں کی طرح ہر آن اپنے آقائے ولی نعمت پر اعتماد کرنے کو تیار رہتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں امریکہ کی اس کھلم کھلا جارحیت کے باوجود ابھی تک اس سے دوستی کی خوشبو آتی اور اس کی عظمت کے ترانے گاتے ہیں۔ انہی لوگوں سے امریکہ جیسے دشمن کے پاکستان میں جاری تعلیمی ادارے آباد ہیں، انہیں امریکہ کا گرین کارڈ مل جائے تو اس پر وطن اور ملت کا تقدس لاکھ بار نچھاور کرنے کو تیار رہتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ دراصل اُمّت کے غدار ہیں!!

معصوم مسلمانو! آنکھیں کھولو، اپنا فرض پہچانو، اللہ کی طرف رجوع کرو، اپنا کردار ادا کرو، دوست دشمن میں تمیز کرو اور حق کی گواہی دینے والوں کے ہم آواز ہو جاؤ۔ پھر ماحول بدلے گا، فضا بدلے گی اور ملتِ اسلامیہ پر زوال کی تاریک رات ختم ہو گی اور آخر کار اللہ کی بندگی کا تقاضا پورا ہو گا۔ اس پر آشوب دور میں اللہ اور اس کے نبی ﷺ کے اَنصار بننے والوں کا مقام بہت بلند ہو گا!!

www.mohaddis.com

CPL No. 49
Vol.43 No.6

Monthly MUHADDIS Lahore

☏ 5866476
5866396

☞ عناد اور تعصب قوم کے لیے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں

لیکن تعصبات سے بالاتر رہ کر اِفہام وتفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔

☞ علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں

لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

☞ غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے

لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

☞ تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

☞ آئین وسیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

☞ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

محدث

کا مطالعہ فرمایئے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے مزین پائیں گے، اِن شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

قیمت فی شمارہ ۲۰ روپے —— زرِ سالانہ ۲۰۰ روپے

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL 99-J, Model Town, Lahore 54700